

ریاست، جموں و کشمیر کے بچوں کا واحد ترجمان

منظر آباد آزاد کشمیر  
راولپنڈی

ماہنامہ

# روشنی

نومبر 2015ء



عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں  
انظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں



## روشنی کی کرنیں

۴	مدیر	روشنی کی بات
۵	مظفر وارثی	حمد باری تعالیٰ
۷	سعدیہ امین	شاعر مشرق علامہ اقبالؒ
۱۲	سیما صدیقی	تیسرا کمرہ
۱۶	شان مسلم	گوریلا فاسٹر 2
۲۳	مدرثیوسف پاشا	نئی پریشانی
۲۶	وقاص احمد ڈار	خاموشیاں
۳۰	فائزہ مسعود	تنہائی کے 9 حیرت انگیز اثرات
۳۶	حفیظ جالندھری	بہادر کسان
۳۷	ندیم گلزار	گھوڑا اور کار بورڈ
۴۰	ذیشان ظہیر	آغوش کا مطالعاتی دورہ
۴۶	اعظم طارق کوہستانی	شیشہ کس نے توڑا؟
۵۳	جاوید چودھری	بُری باتوں کے کچڑ میں
۶۲	الطاف حسین	کان کا دھیان
۶۷	غنی دہلوی	پیارے بچہ!
۶۹	رابعہ حسن	35 سال بعد
۷۵	احسان بن مجید	میں بزدل نہیں
۸۰	ایم بلال ایم	آن لائن فراڈ
۸۹	طفیل شاہد	متوازن غذا سے اچھی صحت

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے

## ارشاد باری تعالیٰ ہے

- اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (النساء)
- تم کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اسی پر جے رہو۔ (مسلم)
- آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر اسی کی۔ (الاسراء)
- اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ (النساء)



## نبی رحمت ﷺ نے فرمایا

- اللہ ہی کے لیے محبت ہو اور اللہ ہی کے لیے دشمنی۔ (ابوداؤد)
- تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جسے میں لے کر آیا ہوں۔ (بخاری، مسلم)
- پیغمبروں میں ایک کو دوسرے سے بہتر نہ کہو۔ (بخاری، مسلم)
- دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اے خدا! آخرت کے عیش کے علاوہ ہر عیش بے حقیقت ہے۔ (بخاری، مسلم)







## روشنی کی بات

علامہ اقبال کا شمار بلاشبہ عالم اسلام کے بلند پایہ مفکرین میں ہوتا ہے۔ ان کی آفاقی شاعری اگر ایک طرف تو انفرادی کردار کے تعمیر و تشکیل پر زور دیتی ہے تو دوسری طرف قوم کی تقدیر کو بدلنے کے لیے جدوجہد پر آمادہ کرتی ہے۔ اقبال نے جہاں معاشرے کے مختلف طبقات سے اپنی شاعری کے ذریعے کلام کیا ہے وہاں انھوں نے بچوں کے حساس ذہن کو بھی نہایت دل نشین پیرائے میں مخاطب کیا ہے۔ بچوں کے لیے لکھے گئے کلام میں پیغام بھی ہے اور اس میں بنیادی اخلاقی تصورات کو بھی سادگی اور خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے بچوں کے لیے بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ مکالماتی بیان مثلاً کنز اور مکھی، پہاڑ اور گلہری، گائے اور بکری کو بھی نہایت خوبصورت پیرائے میں تخیل کا جز بنا دیا۔ کبھی بچے کی دعا کہہ گئے، جو ہر اسکول کے بچے کی زبان پر ہے۔ لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنائری زندگی شمع کی صورت ہو خدا یا میری۔

ہمیں لازمی طور پر اقبال جیسے توانا شاعر کی شاعری اور فکر لوگوں کے ذہنوں تک پہنچانی چاہیے۔ اس سے نہ صرف ہم انھیں ایک روشن اخلاقی نظام سے روشناس کرا سکتے ہیں بلکہ کل کے لیے ایک زندہ معاشرے کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ بچوں کی نشوونما کے لیے ایک سازگار ماحول کی فراہمی غالباً سب سے بڑی قومی ذمہ داری ہے۔ اقبال اکادمی پاکستان نے اس ذمہ داری کو اچھی طرح پورا کرنے کے لیے ”میرا اقبال“ کے نام سے ایک ایسا تعلیمی اور تربیتی منصوبہ تیار کیا ہے جو بچوں کو حکیم الامت اور شاعر مشرق، علامہ محمد اقبال کی بنائی اور سجائی ہوئی دنیا میں دُور دور تک سیر کروا دیتا ہے۔ یہ دنیا اقبال نے صرف بچوں کے لیے بنائی ہے۔ یہاں داخل ہوتے ہی یہ فونہال خود کو خوبصورتی اور بھلائی کے سرچشموں سے سیراب ہوتا ہوا محسوس کر لیتے ہیں۔ یہی تجربہ انھیں آگے چل کر اخلاقی، ذہنی اور جمالیاتی کمالات حاصل کرنے پر اکساتا ہے۔ بچہ ایک سادہ تختی کی طرح ہے، اس پر جو لکھا جائے گا وہ قوم کی تقدیر بنے گا۔ ہم کیوں نہ اس لوحِ تقدیر پر اقبال کا کلام تحریر کر دیں۔

آپ کے ایڈیٹر بھیا  
محمد ثقلیل

## منظر وارثی

### حرم باری تعالیٰ

کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آ رہا ہے وہی خدا ہے تلاش اُس کو نہ کرتوں میں، وہ ہے بدلتی ہوئی رُتوں میں جو دن کو رات اور رات کو دن بنا رہا ہے، وہی خدا ہے وہی ہے مشرق، وہی ہے مغرب، سفر کریں سب اُسی کی جانب ہر آئینے میں جو عکس اپنا دکھا رہا ہے، وہی خدا ہے کسی کو سوچوں نے کب سراہا، وہی ہوا جو خدا نے چاہا جو اختیار بشر پہ پہرے بٹھا رہا ہے، وہی خدا ہے نظر بھی رکھے، سماعتیں بھی، وہ جان لیتا ہے نیتیں بھی جو خانہ لاشعور میں جگمگا رہا ہے، وہی خدا ہے کسی کو تاج وقار بخشے، کسی کو ذلت کے غار بخشے جو سب کے ماتھے پہ مہر قدرت لگا رہا ہے، وہی خدا ہے سفید اُس کا سیاہ اُس کا، نفس نفس ہے گواہ اُس کا جو دُعا جاں جلا رہا ہے، نبٹھا رہا ہے، وہی خدا ہے





میں ہے ہمارے  
م و نشان ہمارا  
لر میں مسلمانوں کی  
سلم لیگ کی حمایت  
گئے تھے، 1922  
نوازا گیا تاہم اسی  
لمانوں کے دل کی

## شاعر مشرق علامہ اقبالؒ

د فراموش رہوں

دوش رہوں

اقبال نے ایک غزل پڑھی جس نے تن گوش رہوں  
موتی سمجھ کر شان کریں کے خاموش رہوں  
قطرے جو تھے مرے عرق بقیہ کا سامنا کرنا  
اس شعر کا سننا تھا کہ محض نقادوں،  
موجود افراد پھر ک اٹھے اور مل سے جو بات  
نے اسی وقت پیش گوئی کی کہ ا

عظیم شعراء میں سے ہوگا۔ انہا اثر رکھتی ہے  
نے غزل کے ساتھ ساتھ نظم پر بھی رکھتی ہے  
ادبی مجلس میں انہوں نے اپنی اساتذہ ہی نہیں  
سنائی تو اسے بہت پسند کیا گیا اور ہی نہیں

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ 9 نومبر  
1877ء کو سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا  
ہوئے، ماں باپ نے نام محمد اقبال رکھا۔ انہوں  
نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہی حاصل کی اور  
مشن ہائی اسکول سے میٹرک اور مرے کالج  
سیالکوٹ سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ شعر  
دشاعری کا شوق بھی آپ کو یہیں پیدا ہوا اور اس  
شوق کو فروغ دینے میں آپ کے ابتدائی استاد  
مولوی میر حسن کا بڑا دخل تھا۔ لاہور کے بازار  
سیماں کے ایک مشاعرے میں انہی دنوں

## نعت رسول مقبول ﷺ

انتخاب: ارشد نسیم

تو شیخ رسالت ہے عالم تیرا پروانہ  
تو ماہ نبوت ہے اے جلوہ جاناں  
جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے  
ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیانہ  
سنگ در جاناں پر کرتا ہوں جبیں ساقی  
سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتا ہوں نذرانہ  
دل اپنا چمک اٹھے ایمان کی طلعت سے  
کر آنکھیں بھی نورانی اے جلوہ جاناں  
گر پڑ کے یہاں پہنچا مرمر کے اسے پایا  
چھوٹے نہ الہی اب سنگ در جاناں  
سرکار کے جلووں سے روشن ہے دل نوری  
تا حشر رہے روشن نوری کا یہ کاشانہ

☆☆☆



پھیلنا شروع ہوگئی۔ اس زمانے میں انہوں نے بچوں کے لئے بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ مکالماتی بیان مثلاً مکڑا اور مکھی، پہاڑ اور گلہری، گائے اور بکری کو بھی نہایت خوبصورت پیرائے میں تخیل کا جز بنا دیا۔ کبھی بچے کی دعا کہہ گئے، جو ہر اسکول کے بچے کی زبان پر ہے۔

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تنامیری  
زندگی شمع کی صورت ہو خدا یا میری

لاہور اور نیشنل کالج میں 1893ء سے لے کر 1897ء تک سرایڈون آرٹلڈ کے زیر سایہ تعلیم حاصل کرنے کے دوران اقبال نے پہلی مرتبہ جدید فکر کا مطالعہ کیا تھا۔ 1899ء میں یہاں سے ایم۔ اے فلسفہ کیا، ساتھ ہی عربی شاعری پڑھنا شروع کی اور معاشرتی و معاشی مسائل پر قلم اٹھایا۔ یونیورسٹی آف کیمبرج سے لاء کرنے کے لیے اقبال نے 1905ء میں ہندوستان چھوڑا لیکن یہ فلسفہ ہی تھا جس نے ان کی سوچ پر غلبہ کر لیا۔ ٹرینیٹی کالج میں بیگل اور کانٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ یورپی

فلسفہ کے بنیادی رجحانات سے واقف ہو گئے۔ فلسفہ میں دلچسپی نے انہیں 1907ء میں ہائیڈلبرگ اور میونخ پہنچایا جہاں نطشے نے ان پر گہرے اثرات مرتب کئے، خود ان کے الفاظ میں:

حکمت مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے  
ایک نکتہ کے غلاموں کے لئے اکسیر  
دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو  
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنیاد پر تعمیر

یہی وہ دور ہے جب ان کا زاویہ نگاہ تبدیل ہوا اور ان کی شاعری میں پیغامیہ رنگ دیکھنے میں آتا ہے۔ مغربی تہذیب بیزاری کا اظہار و اشکاف الفاظ میں کرتے ہیں:

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی ہستی دکان نہیں ہے  
کھراجے تم سمجھ رہے ہو وہ زرا آب کم عیار ہوگا  
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خوشی کرے گی  
جو شاخ نازک پر بنے گا آشیانہ ناپائیدار ہوگا  
مغربی معاشرے پر کچھ ایسے بھی روشنی ڈالی:

کہیں سامانِ مسرت، کہیں سازِ غم ہے  
کہیں گوہر ہے، کہیں اشک، کہیں شبنم ہے

اقبال نے وہیں ایران میں روحانی ترقی کے موضوع پر ایک مقالہ لکھ کر فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ایک برس بعد 1908ء میں انہیں انگلستان میں لنکن ان کے مقام پر بار میں آنے کی دعوت دی گئی۔ اس برس وہ وکیل اور فلسفی بن کر ہندوستان واپس آئے، واپسی کے بعد جلد ہی وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ پڑھانے لگے تاہم انہیں ہندوستانیوں کے احساسِ غلامی کا احساس بہت زیادہ تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے برطانوی راج کے محکوم ہندوستانی مسلمانوں کی حالت زار کو عیاں کرنے میں گہری دلچسپی لی، یورپ روانگی سے قبل اقبال ایک آزاد خیال قوم پرست اور انڈین میٹشل کالگریس کے ہمدرد تھے تاہم 1911ء میں تنفیخ تقسیم بنگال ہو گئی۔ پھر ان کا رجحان شاعری میں ہندوستان کے ساتھ مسلمانوں کی طرف بہت نمایاں نظر آتا ہے، جیسے ان کا یہ ترانہ ملاحظہ فرمائیں:

چہین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا  
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے  
آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا  
اب وہ اپنے نکتہ نظر میں مسلمانوں کی علیحدگی پسندی اور آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت کر نیوالے علیحدگی پسند بن گئے تھے، 1922ء میں انہیں سر کے خطاب سے نوازا گیا تاہم اسی دور میں علامہ اقبال کا شکوہ مسلمانوں کے دل کی پکار ثابت ہوا۔

کیوں زیاں کار بنوں، سود فراموش رہوں  
فکرِ فردانہ کروں، مجھ غم دوش رہوں  
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں  
ہم نوا میں بھی کوئی گل ہوں کے خاموش رہوں  
شکوہ لکھنے پر انہیں شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے جواب شکوہ لکھ کر تمام نقادوں، معترضین کو لا جواب کر دیا کہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے  
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے  
ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں  
راہ دکھلائیں کسے، رہبر منزل ہی نہیں



چار سال بعد 1926ء میں علامہ اقبال پنجاب مجلس قانون ساز میں منتخب ہوئے اور آل انڈیا مسلم لیگ سے نزدیک تر ہو گئے۔ انہوں نے آزادی کے بعد ہندو حکومت کو تسلیم کرنے کی بجائے ایک علیحدہ مسلمان وطن کے لیے زیادہ سے زیادہ حمایت کا اظہار کیا، صرف قوم کو نیند سے اٹھانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے لیے دعائیہ الفاظ کا سہارا بھی لیا۔

یار رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے  
جو قلب کو گرمادے، جو روح کو تڑپا دے  
پھر وادی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے  
پھر شوق تماشا دے، پھر ذوق تقاضا دے  
در حقیقت شمال مغربی ہندوستان میں مسلم اکثریت والے علاقوں پر مشتمل ایک علیحدہ مسلمان وطن بنانے کا تصور سب سے پہلے اقبال نے ہی 1930ء میں پیش کیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ سب سے پہلے ایک فکری قوت تھے اور مسلمان ثقافتی زندگی میں ان کا مقام اسی حوالے سے ہے کیونکہ وہ ملت اسلامیہ میں ایک نئی اُمید پیدا کرنا چاہتے تھے۔

ہے لازوال عہد خزاں اس کے واسطے  
کچھ واسطہ نہیں ہے اسے برگ و بار سے  
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ  
پیوستہ رہ شجر سے، اُمید بہار رکھ!  
دینیات، تصوف مشرقی و مغربی فلسفہ اور انسانیت کے مقدر کو سمجھنے اور اس کی وضاحت کرنے کے لیے فارسی اردو شاعری کے رمزیہ اور نازک انداز کو استعمال کرنے میں اقبال کو اپنے ہم عصر مسلمان فلسفیوں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ وسعت میں آ رہا جانے میں یہ اقبال کی اہلیت ہے جو فلسفہ کو سماجی ثقافتی مسائل سے جدا کرتی ہے اور جس نے انہیں ایک فلسفی اور ثقافتی ہیرو بنایا۔

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل  
عشق ہو مصلحت اندیش تو بے خام ابھی  
بے خطر کو پڑا آتش نمرود میں عشق  
عقل ہے جو تماشا لے لب بام ابھی  
لیکن پاکستان کی آزادی سے پہلے ہی 21 اپریل 1938ء کو علامہ اقبال انتقال کر گئے تھے تاہم ایک عظیم شاعر اور مفکر کے طور پر قوم

ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی۔ شاعر مشرق علامہ اقبال حساس دل و دماغ کے مالک تھے آپ کی شاعری زندہ شاعری ہے جو ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مشعل راہ بنی رہے گی، علامہ اقبال بہت بڑی بات انتہائی آسانی سے کہہ جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام اقبال دنیا کے ہر حصے میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانانِ عالم اسے بڑی عقیدت کے ساتھ زیرِ مطالعہ رکھتے اور ان کے فلسفے کو سمجھتے ہیں، علامہ اقبال انسانی خودی کے قائل تھے جب ہی وہ کئی جگہ کہتے ہیں۔ خودی ہی وہ عنصر ہے جو انسانوں کو اسرارِ شہنشاہی سکھاتی ہے۔

اقبال نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی اور اسلامی عظمت کو اجاگر کیا، ان کی کئی کتابوں کے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، جاپانی اور دوسری زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور اس دور میں مسلم امہ میں موجود مایوسی کے باوجود وہ روشن مستقبل کی توقعات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے تھے۔

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشت ویراں سے  
ذرا غم ہو تو یہ مٹی بڑی ذرخیز ہے ساقی

☆☆☆

باتوں سے خوشبو آئے  
(ارتضیٰ علی۔ نیلم)

☆..... جب آپ عروج پر ہوتے ہیں تو آپ کے دوستوں کو پتہ چلتا ہے کہ آپ کون ہیں اور جب آپ زوال پر ہوتے ہیں تو آپ کو پتہ چلتا ہے کہ دوست کون ہیں۔

☆..... جانوروں میں خواہش پائی جاتی ہے لیکن عقل نہیں ہوتی، فرشتوں میں عقل ہوتی ہے لیکن خواہش نہیں پائی جاتی، انسان میں دونوں چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ اس میں عقل بھی ہے اور خواہش بھی۔ اگر انسان خواہش سے عقل کو دبالیٹا ہے تو جانوروں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے اور اگر عقل سے خواہش کو دبالیٹا ہے تو اس کا شمار فرشتوں کی صف میں کیا جاتا۔

☆..... اچھا انسان وہ ہے جو کسی کا دیا ہوا دکھ تو بھلا دے مگر کسی کی دی ہوئی محبت کبھی نہ بھلائے۔

☆..... تکبر علم کو کھا جاتا ہے۔

☆..... اچھا سوال آدھا علم ہے۔





## تیسرا کمرہ

کھوں! کھوں! کھوں!

مسلسل کھانسی کی یہ آواز اب محلے کے روزمرہ کے معمولات کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ یہ حکیم صاحب کی کھانسی تھی۔ جس کے اب اہل محلہ عادی ہو چکے تھے۔ البتہ جس رات کھانسی کی آواز نہ آتی تو بے چینی ہوتی اور کسی چیز کی کمی کا احساس ہوتا۔

حکیم صاحب عجیب و غریب اور بے حد پراسرار شخصیت کے مالک تھے۔ نہ کوئی آگے نہ

پچھے۔ محلے کے کسی شخص سے کوئی مطلب نہ رکھتے تھے۔ سنتے تھے کہ موصوف پرانے حکیم ہیں اور اب تک کئی مریضوں کو ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کر چکے ہیں۔ مگر یہ محض اندازے ہی تھے۔ حکیم صاحب صبح سویرے، منہ اندھیرے گھر سے نکلتے۔ ہندوق کی گولی کی طرح۔ ناک کی سیدھ میں کہیں نکل جاتے پھر رات گئے واپس آتے اور دروازہ اس قدر پھرتی

سے بند کرتے جیسے خدشہ ہو کہ ان کے ہمراہ کوئی اور بھوت، بھی اندر نہ گھس آئے۔ عمر کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل تھا بہر حال سوے کم ہی کے تھے۔ چہرے مہرے سے تقریباً فوت شدہ لگتے تھے۔ پانچامہ ٹخنوں سے کافی اوپر اور گھٹنوں سے تھوڑا نیچے تک ہوتا..... لہذا اسے یقین سے پانچامہ کہنا دشوار تھا۔ اٹکا سا کرتا جو گردشِ زمانہ سے جاہلی دار ہو چکا تھا۔ پاؤں میں ہوائی چپل اور چہرے پر بھی ہوائیاں ہی اڑتی نظر آتی تھیں۔ ہاتھ میں ایک بڑھ دباتے رہتے تھے گویا خزانے کی کنجیاں اُسی میں ہوں۔ ابتداء میں لوگوں کو بڑا تجسس تھا کہ معلوم کریں کہ یہ حضرت آسمان سے ٹپکے ہیں یا زمین سے اُگے ہیں؟ کہاں سے آئے اور کہاں جاتے ہیں؟ مگر حکیم صاحب نے اپنے گرد ایسا حصار کھینچ رکھا تھا کہ کسی کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ مسلسل تین روز تک اہل محلہ کو حکیم صاحب کی کھانسی کی آواز سنائی نہ دی۔ لامحالہ تشویش ہوئی کہ خدا خیر کرے، کہیں موصوف نے اپنی بنائی ہوئی دوا تو نہیں آزمائی؟

پڑوسیوں نے بہت دروازہ دھڑ دھڑایا مگر کوئی جواب نہ پایا۔ بالآخر محلے کے ایک لڑکے نے زور آزمائی کا فیصلہ کیا۔ وہ دور سے دوڑتا ہوا آیا اور دروازے کو ٹکڑی ماری۔ دروازہ اتنا کمزور تھا کہ پہلی ہی ٹکڑی میں لڑکا دروازے سمیت اندر جا گرا۔ لوگ بھرا مارا کر اندر داخل ہوئے۔ حکیم صاحب اپنے بستر پر پڑے سو رہے تھے۔ انہیں جگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ کیونکہ وہ ابدی نیند سو چکے تھے۔

چند ہی لمحوں میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے محلے میں پھیل گئی۔ سیانوں کو فکر دامن گیر ہوئی کہ حکیم صاحب کی تدفین کیسے ہوگی؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم تدفین کے اخراجات برداشت کرنے کو تیار ہیں مگر اس کے بدلے حکیم صاحب کے گھر کا مال و اسباب ہمارا ہوگا اس پر محلے کے دیگر افراد نے ناک بھوں چڑھائی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ حکیم صاحب لاوارث آدمی تھے چنانچہ ان کا مال و متاع سب اہل محلہ کا حق ہے۔ ایک بزرگ نے یہ بھی فرمایا کہ تمام مال و اسباب کسی یتیم خانے میں بھجوادو۔





اس تجویز پر کچھ لوگ بصد احترام ان بزرگ کو کرسی سمیت اٹھا کر ان کے گھر پہنچ آئے۔

ایک مدبر شخص نے جھگڑے کا تصفیہ کرتے ہوئے کہا: ”پہلے چل کر جائزہ لے لیا جائے کہ حکیم صاحب کل کتنا مال و اسباب چھوڑ گئے ہیں۔“ ایک خاتون نے اپنی بالکونی سے لنگ کر صورتحال پر رواں تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ”بڈھالا کھدولا کھ تو چھوڑ ہی گیا ہوگا۔ اپنے اوپر تو دھیلا نہیں خرچ کرتا تھا۔“ بہت چیخ پکار، تو تکار کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اندر جا کر مال و اسباب کی فہرست تیار کر کے اس کی قیمت کا تخمینہ لگائے۔ اس کے علاوہ ایک اعلیٰ سطح کا کمیشن بھی بٹھایا گیا جو یہ فیصلہ کرے گا کہ مال کس طرح تقسیم ہو؟ بعد ازاں وہ کمیشن لیٹ گیا کیونکہ اندر جانے والی کمیٹی باہر آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

مکان میں کل تین کمرے تھے۔ پہلے کمرے میں گھستے ہی عجیب و غریب بساند سے دماغ پھٹنے لگا۔ پورا کمرہ رنگ برنگی ادویہ سے بھرا پڑا تھا۔ ادویہ بالکل سڑ چکی تھیں۔ شیشیاں ڈھکن

کے رنگ کے ساتھ جڑ گئی تھیں۔ معلوم نہیں انہیں اسٹاک کرنے میں کیا مصلحت تھی؟

”یقیناً حکیم صاحب نہایت کنجوس آدمی تھے اور اپنی کسی فالتو چیز کو بھی پھینکنے کے روادار نہ تھے۔“ ایک رکن نے جو بڑاتے ہوئے تجزیہ کیا۔ حکیم صاحب سے شناسائی کا دعویٰ رکھنے والے کمیٹی کے دوسرے رکن نے منہ بنا کر کہا: ”مرحوم کنجوس ہی نہیں مکھی چوس بھی تھے۔“ ”مکھی چوس؟“ پہلے نے سوالیہ انداز میں حسب توفیق حیران ہو کر پوچھا۔

”جی ہاں! مکھی چوس یعنی اگر دودھ یا چائے میں مکھی پڑ جائے تو یہ مکھی نکال کر چوس لیتے تھے تاکہ دودھ یا چائے ضائع نہ ہو۔“ ”کیا؟“ کمیٹی کے ارکان نے حیرت کے اظہار کے لیے منہ کھلا چھوڑ دیا اور دوسرے کمرے کی طرف بڑھے۔

دوسرا کمرہ کھولا گیا تو کمیٹی کے ارکان کی آنکھیں اندھیرے میں چمکنے لگیں۔ کیونکہ یہ کمرہ کرنی نوٹوں اور سکہوں سے بھرا پڑا تھا۔ روشنی کا انتظام ہوا تو وہ بن کھلے مرجھا گئے کیونکہ یہ ساری

کرنسی اب متروک ہو چکی تھی۔ سکہ رائج الوقت کی ایک پائی بھی اس میں موجود نہ تھی۔ کچھ مغل بادشاہوں کے زمانے کے سکے تھے اور کچھ جنگ عظیم کی یادگار تھے۔ دوسری جانب اخبارات کا ڈھیر چھت کی بلندیوں کو چھوتا نظر آ رہا تھا۔ اخبارات اتنے پرانے تھے کہ یرقان کے مریض معلوم ہو رہے تھے۔ کونے میں ایک بے ڈھنگی سی الماری تھی جس میں بابا آدم کے زمانے کے کپڑے ٹھسے تھے، چند زمانہ کپڑے تھے جو کسی زمانے میں اس گھر میں کسی خاتون کی موجودگی کا پتا دے رہے تھے۔ کمیٹی کا ایک رکن صدمے سے ٹنڈھال ہو کر گھر کی اکلوتی کرسی پر ڈھسے گیا۔ مگر جب کرسی کی اکلوتی ٹانگ اپنی بقیہ تین ٹانگوں کی یاد میں چرچرائی تو وہ فوراً اٹھ گئے۔

باورچی خانے میں جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ برآمدے کے نوادرات یعنی کاٹھ کباڑ کو دھکیلتے ہوئے، کاغذ قلم ہاتھ میں لیے پڑمرہ انداز میں تیسرے کمرے کی طرف بڑھے۔ اس کے دروازے پر ڈیڑھ کلو کا تالا منھ چڑا رہا تھا جسے دیکھ کر کمیٹی کے ارکان کی باچھیں کھل کر

کانوں سے جا ملیں۔ تالے کا واضح مطلب یہ تھا کہ ”مال“ اس کمرے میں موجود ہے۔ تالا توڑ کر دروازہ کھولا گیا۔ بدبو کے بھھکے نے ان کا استقبال کیا جسے بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیا گیا۔ کمرے میں عجیب سی سیلن بھی محسوس ہوئی۔ یہاں ایک بہت بڑا مفقل صندوق رکھا تھا۔ کمیٹی والوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ صندوق پر گرد موجود نہ تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حکیم صاحب اس کو وقتاً فوقتاً کھولتے رہے ہوں۔ صندوق کا تالا بڑی مشکل سے ٹوٹا۔ اس کا بھاری بھر کم ڈھکن اٹھانے کی کوشش میں ڈھکن تو کھل گیا مگر اسی جھوٹک میں کمیٹی کے دو ارکان صندوق میں منہ کے بل جا گرے۔ حواس بحال ہوئے تو صندوق کے اندر رکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر کمیٹی کے سب ارکان آنکھیں بند کر کے اور حلق پھاڑ کر چیخنا شروع ہو گئے اور چیختے ہی چلے گئے کیونکہ اندر حکیم صاحب کی بیوی کی مسالا لگی لاش فرعون کے زمانے کی لاشوں کی شکل میں موجود تھی۔

☆☆☆



کچھ دیر پہلے میرے گوش گزار کر چکے ہیں اور اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں بھی دین کی کوئی خدمت کر سکوں تو یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہوگی۔“

سعید مدنی نے اپنا مختصر تعارف کروایا جس کے جواب میں ماسٹر خان نے بلاتا خیر گوریلہ فائٹرز کی حالیہ کارروائی اور مستقبل کے ارادوں کا ذکر کر ڈالا۔

”ہوں! گویا آپ لوگ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟“ سعید مدنی، زی ورلڈوائڈ کے ہیڈ کوارٹر کا سنتے ہی بے ساختہ بول اٹھے۔

”بھڑوں نہیں بھیڑیوں کے ریوڑ بولیں تو میرے خیال میں زیادہ بہتر ہوگا۔“

وقاص کا چلبلا دماغ الفاظ پکڑنے میں ماہر تھا لہذا چپ نہ رہ سکا اور سعید مدنی وقاص کو دیکھ کر مسکرا اٹھے جیسے حاضر دماغی کی داد دے رہے ہوں۔

”میرا مطلب یہ تھا کہ یہ ایک بہت خطرناک مہم ہوگی کیوں کہ شمالی کیرولینا کے لیے

”سعید مدنی، ان سے ملو یہ ہیں ہماری ٹیم گوریلہ فائٹرز کے بہادر نوجوان جن کی تفصیلات میں تم کو پہلے بتا چکا ہوں۔“

ماسٹر خان نے اپنے دوست سعید مدنی سے گوریلہ فائٹرز کا تعارف کراتے ہوئے کہا جو ماسٹر خان کی دعوت پر ان کے گھر رہنمائی دینے آئے تھے۔

”اوہ، ویری نیک بوائے۔ یہ تو بہت چھوٹے ساتھی ہیں میں تو لمبے ترنگے اور مضبوط جہم کے نوجوانوں کا تصور کر کے بیٹھا تھا۔

”اچھا ابھی میرا نام سعید مدنی ہے اور ماسٹر خان سے میرا تعلق بہت پرانا ہے یہ جب پاکستان کی خفیہ ایجنسی میں خدمات انجام دے رہے تھے ان دنوں میں امریکا میں پاکستان کے سفیر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا اور تقریباً پوری دنیا کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے اور آج کل اپنا چھوٹا موٹا بزنس چلا رہا ہوں۔“

کل ماسٹر خان نے فون کر کے میری خدمات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی اور آپ لوگوں کا تفصیلی تعارف اور کارنامے ابھی



## گوریلہ فائٹرز

قسط 12  
شان مسلم

موتانا اے بلکہ عزائم اور حب الوطنی کے چاندیوں سے سُرخ  
امت مسلمہ کے درمیں دھڑکنے والے دلوں کے مالک کچھ بہادر بچوں  
کی لمحہ بھرتی نقطہ دار کہانی جو ہر موڑ پر غبارِ اختیار اختیار کرتی ہے۔



ND

پاکستان سے کوئی فلائٹ نہیں جاتی اس کے لیے آپ کو دو تین مقامات پر رکننا پڑے گا۔

یعنی پہلے آپ کو نیویارک یا واشنگٹن پہنچنا ہوگا وہاں سے آپ آگے جاسکتے ہیں۔

”اگر ہم امریکا کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں یا ہوائی جہاز کے بجائے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہیں تو؟“

شعب نے احتیاطی تدابیر پیش نظر رکھتے ہوئے سوال پوچھا کیوں کہ پورے امریکا میں تو ان کے خلاف سخت سیکورٹی کا جال بچھایا جا چکا تھا۔

”ہاں یورپ کے راستے ممکن ہے اس کے لیے پہلے آپ کو آئرلینڈ، اسپین یا برطانیہ کا سفر کرنا ہوگا وہاں سے آپ کو براہ راست شمالی کیرولینا کی فلائٹ مل سکتی ہے، آئرلینڈ سے شمالی کیرولینا کا فاصلہ صرف چھ گھنٹے کا ہے اور اس کا ٹکٹ تقریباً ایک لاکھ دس ہزار روپے تک ہے۔

وہاں سے آپ بحری جہاز سے بھی سفر کر سکتے ہیں لیکن یاد رہے کہ بحری جہاز کے ذریعے آپ کو تقریباً دو ہفتے سمندر میں سفر کرنا ہوگا لیکن ہوائی جہاز کے مقابلے میں یہ محفوظ اور سستا راستہ ہے۔“

سعید مدنی کے پاس واقعی معلومات کا خزانہ تھا جسے سارے ممبران بہت غور سے سن رہے تھے۔

”سعید بھائی کیا کوئی ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم بلا روک ٹوک آزادانہ سفر کر سکیں میرا مطلب ہے کہ ہمیں مشن کے دوران یورپی ممالک یا امریکا کی ریاستوں میں سفر کرنا پڑے گا۔“

ماسٹر خان ویزا پالیسی جاننا چاہ رہے تھے۔

”بالکل ایسا ممکن ہے لیکن ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ خاص لوگوں کے لیے یعنی دوسرے ممالک کے وزیر اور سفیر یا پھر خصوصی درخواست پر مختلف تجارتی اور سماجی ادارے اور کبھی کبھار غیر ملکی طلباء کو بھی یہ رعایت مل جاتی ہے اس کے لیے پورے یورپ میں آزادانہ سفر کرنے کے لیے آپ کو شیٹنگ ویزا (Sthanging

(Visa) لینا پڑے گا جبکہ امریکا کی ریاستوں میں آزادانہ گھومنے کے لیے آپ کو باآسانی ملٹی پل انٹری ویزا مل سکتا ہے۔“

سعید مدنی نے ان کی مشکل واقعی آسان کر دی تھی۔

”آپ اس سلسلے میں کہاں تک ہم سے تعاون کر سکتے ہیں؟“ شعب نے پوچھا۔

”سابق سفیر ہونے کے ناطے میرے امریکن اور یورپین سفارت خانوں سے بڑے اچھے تعلقات ہیں لیکن سب سے پہلے آپ کو کسی سماجی تنظیم کی رکنیت حاصل کرنا ہوگی اس کے بعد میرا کام آسان ہو جائے گا اور اگر آپ لوگ میرا مشورہ مانیں تو براہ کرم ایک ساتھ سفر نہ کریں بلکہ تین تین کے گروپ میں سفر کریں اس طرح آپ بہت زیادہ نظروں میں آنے سے بچ جائیں گے اور ایک دوسرے کو کور (Cover) بھی دے سکیں گے۔“

سعید مدنی واقعی بہت تجربہ کار انسان تھے ان کے مشورے پر سارے ممبران اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

☆

اگلے دن سب نے اپنے حلیے اور چہرے تبدیل کیے اور نئے ناموں اور چہروں کے ساتھ نئے کاغذات تیار کروانے کا کام شروع کر دیا اور ماسٹر خان نے ایک بڑی سماجی تنظیم کے لیے مفت کام کرنے کی ذمہ داری لیتے ہوئے سارے ممبران کی ممبر شپ حاصل کر لی اور اگلے ہفتے سعید مدنی سب کے ویزے تیار کروا چکے تھے۔

اب پاکستان سے روانگی کا مرحلہ درپیش تھا ماسٹر خان، گوریلا فائٹرز کے ممبران اور سعید مدنی کے ساتھ مل کر آئندہ کالائٹ عمل ترتیب دے رہے تھے۔

بالآخر طے یہ پایا کہ پہلے مرحلے میں شعب، ثاقب اور عمران یورپ کے راستے شمالی کیرولینا روانہ ہوں گے اور ان کے پہنچنے کے بعد ضرورت پڑنے پر دوسرا گروپ روانہ کیا جائے گا۔

ابھی ان کی یہ گفتگو جاری تھی کہ اچانک دروازے کی اطلاعی گھنٹی زوردار طریقے سے بج

روشنی

19

روشنی

18

روشنی

روشنی



اٹھی جیسے کوئی بہت جلدی میں بے دردی کے ساتھ گھنٹی بجارہا ہو۔

سارے ہی افراد اچانک گھبرا اٹھے اور وقاص جلدی سے دروازے کی طرف دوڑا اور دروازے پر لگی جادوئی آنکھ (Door Eye) کی مدد سے باہر دیکھا تو اس کی گھبراہٹ دو چند ہو گئی۔

اس نے واپس آ کر سب کو بتایا کہ سیاہ وردی میں ملبوس دو مسلح افراد دروازے پر موجود ہیں، یہ جملہ سنتے ہی سب کے منہ سے بے اختیار ”اوہ میرے خدا“ کی آواز نکلی اور سب یکدم اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆

”کیا کہہ رہے ہو وقاص تم؟“ زبیر کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

”بالکل صحیح کہہ رہا ہوں یقین نہ آئے تو خود جا کر دیکھ لو، ان کے کاندھوں پر اسلحہ میں نے خود دیکھا ہے۔“ وقاص نے یقین دلاتے ہوئے کہا تو شعیب بولا۔

”اس کا مطلب ہے ہماری دوبارہ مخبری

ہوئی ہے اور یہ تو بعد میں پتا چلے گا کہ مخبری کس نے، کیوں اور کیسے کی البتہ ابھی مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس دفاعی سامان کی کمی ہے لہذا ہمیں فوراً یہاں سے فرار ہونے کی کوئی ترکیب سوچنی ہوگی۔“

”لیکن میرے خیال میں یہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے سوائے مرکزی دروازے کے کیوں کہ یہ گھر میرے دوست موبی کاظمی کا ہے جو اس وقت امریکا میں مقیم ہے اور میں اس گھر میں پہلے بھی کافی عرصہ رہ چکا ہوں۔“

ماسٹر خان نے شعیب کی تجویز کو رد کرتے ہوئے کہا تو ثاقب بولا۔

”تو پھر ٹھیک ہے ہمیں آنے والے مہمانوں سے دو دو ہاتھ کر لینے چاہیں ہم نے بھی آخر کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں۔“

”میرے خیال میں ثاقب بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے ہم میں سے جس جس کے پاس جو جو دفاعی سامان ہے وہ نکال لے، ہمیں دفاعی حکمت عملی کے ساتھ فائٹ کرنی ہوگی“ اور یہ

کہتے ہوئے شعیب نے اپنا چھوٹا سا ریوالور نکال لیا اور شعیب کا دیکھا دیکھی سب نے ممکنہ ہتھیار اپنے ہاتھوں میں لے لیے جبکہ سعید مدنی اس دوران ہکا بکا ساری صورتحال کا مشاہدہ کر رہے تھے اور ان کے پھڑکتے ہوئے منہ کو دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے ”جل تو جلال تو آئی بلا ٹال تو“ کا ورد کر رہے ہوں، کیوں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی اس قسم کی مار دھاڑ والی صورتحال کا سامنا نہیں کیا تھا۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دوبارہ دروازہ کے اطلاعی گھنٹی بجی اٹھی اور اس مرتبہ گھنٹی کے ساتھ، زور زور سے دروازہ بھی بجایا گیا تھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ دروازہ نہ کھولا گیا تو ہم دروازہ توڑ بھی سکتے ہیں اور پھر سارے افراد جلدی جلدی پوزیشن سنبھالنے لگے۔

عمران تم صوفے کے پیچھے اور وقاص تم ڈائننگ ٹیبل کے نیچے پوزیشن سنبھالو گے جبکہ زبیر دروازے کی آڑ میں کھڑا ہوگا اور ثاقب کچن میں پوزیشن سنبھالے گا، میں دروازے کے قریب پردے کے پیچھے الٹ رہوں گا اور

ماسٹر خان دوسرے کمرے میں ہمیں کور دیں گے جبکہ سعید مدنی صاحب دروازہ کھولیں گے۔“ شعیب نے چند لمحوں میں فیصلہ کرتے ہوئے فوراً سب کی پوزیشنیں طے کر دیں وہ واقعی گوریلا جنگ کا ماہر تھا کیوں کہ گوریلا جنگ میں سب سے اہم چیز بروقت اور صحیح فیصلہ ہوتا ہے۔

”کک۔۔۔کک۔۔۔ کیا دروازہ مجھے کھولنا ہوگا؟“ سعید مدنی نے گھبراہٹ میں تھوک نلگتے ہوئے کہا۔

”سعید بھائی آپ بالکل مت گھبرائیے آپ کو صرف دروازہ کھول کر یہ پوچھنا ہے کہ آپ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں اگر وہ تلاشی لینے کا کہیں تو آپ انہیں اندر آنے دیں باقی کام ہم سنبھال لیں گے، بس ایک کام ضرور کیجئے گا اگر فائرنگ شروع ہو جائے تو فوراً زمین پر لیٹ جائیے گا۔“

ماسٹر خان نے سعید مدنی کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا تو سعید مدنی ڈرتے ڈرتے آگے بڑھے اور ہمت مجتمع کرتے ہوئے انہوں





مدرثر یوسف پاشا

## نئی پریشانی

موجودہ حالات کے تناظر میں۔۔۔۔۔ اصلاحی و سبق آموز کہانی

پالیسی پر عمل پیرا تھا اس تناظر میں وہ ہندوستانی پریشانی اور اس کی وجہ کے متعلق ایک تفصیلی کہانی سنانا چاہتے تھے۔

ویسے تو بھارت میں زیرِ مود میں وزیرِ اعظم بننے ہی مسلمانوں خصوصاً پاکستان کے لیے شدید خطرے کی گھنٹیاں بجنی شروع ہو گئی تھیں اور ہندوستان میں مقیم سترہ کروڑ تیس لاکھ کے لگ بھگ مسلمانوں کا برا وقت شروع ہو گیا تھا کیونکہ مودی اپنی

یوں تو بچے رحیم چاچا کو تنگ کرتے تھے کہ آج یہ کہانی سنائیں وہ کہانی سنائیں لیکن آج رحیم چاچا نے عہد کیا ہوا تھا کہ وہ اپنے نوہالوں کو ہندوستان کے بارے میں بتائیں گے تاکہ انہیں اس دشمن کے بارے میں پتہ چل سکے۔ اس لیے انہوں نے موضوع بھی انوکھا چنا تھا۔ موجودہ حالات میں ہندوستان بارڈر لائن پر جس طرح کی جارحیت کا ارتکاب کر کے پاکستان کو پریشان و خوفزدہ کرنے کی

ہوئے بولا۔

”ان خوب صورت فائلوں کا مطلب ہوتا ہے کہ کوئی کام بھی نہیں ہوا۔

کام کرنے والے فائلیں نہیں بلکہ کارکردگی پیش کرتے ہیں کیا سمجھے آپ مسٹر گرین شیروف؟“

”سر! آپ اچھی طرح جانتے ہیں وہ چھلاوے نما انسان ہیں اور ان کا اطلاعاتی نظام اتنا مضبوط ہے کہ وہ کارروائی ہونے سے پہلے ہی جگہ چھوڑ دیتے ہیں لیکن آپ دیکھیے گا اس مرتبہ وہ بچ کر نہیں جائیں گے۔“

گرین شیروف نے امید دلاتے ہوئے کہا تو پرنس ایریل بولا۔

”آپ دو ہفتوں کے دوران کوئی کام نہیں کر سکے اب آپ مزید کتنے دن چاہتے ہیں مسٹر شیروف؟“

”ون ویک مورسز“ اس ہفتے ہم آپ کو گڈ نیوز دیں گے۔“

(جاری ہے)

نے ایک دم دروازہ کھول دیا اور باہر کھڑے سرخ سرخ آنکھوں والے انسانوں اور ان کی بندوق دیکھتے ہی وہ فائرنگ سے پہلے ہی زمین پر لیٹ گئے۔

☆

”یس! مسٹر گرین شیروف اب تک کی کیا رپورٹس ہیں کوئی کامیابی حاصل ہوئی؟“  
زی ورلڈ وائڈ کے سربراہ پرنس ایریل نے میٹنگ کے دوران گرین شیروف سے رپورٹ لیتے ہوئے کہا جو کل ہی پاکستان سے امریکا پہنچا تھا۔

”یس سر ہمیں کچھ جزوی کامیابیاں ملی ہیں اور مقامی ایئر پورٹ ایجنسیوں کے ساتھ مل کر بھی ہم نے کئی چھاپے مارے ہیں جس کی تفصیلی رپورٹ اس فائل میں موجود ہے۔“

گرین شیروف نے ایک خوب صورت سی فائل آگے بڑھاتے ہوئے کہا تو پرنس ایریل غصے سے بھنا اٹھا اور بے دردی سے فائل ہاتھ میں لے کر فوراً ہی میز پر پٹختے





بدنیتی اور خباثت کا عملی نمونہ گجرات، احمد آباد میں دکھا چکا تھا۔ جہاں لاکھوں مسلمان بے گھر ہوئے، ہزاروں عفت مآب خواتین کی عصمت دری کی گئی۔ ان کے گھر جلا دیئے گئے ان کی املاک چھین لی گئیں۔ صرف یہی نہیں مودی اور اس کے ساتھی شروع دن سے یہی کہتے چلے آ رہے ہیں کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ملک ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ پاکستان چلے جائیں کیونکہ اس جگہ پلید اور نجس لوگوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

بات یہاں تک رہتی تو شاید کوئی مسئلہ نہ تھا کیونکہ اکھنڈ بھارت جیسے عزائم تو ہر ہندو کے ہیں لیکن بھارتی سرکار نے پاکستان کے ساتھ بڑی کنٹرول لائن پر شدید جارحیت اور منہ زوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سول آبادی کو نشانہ بنانے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ ایک دفعہ پھر پوری سرحد پر جنگ کا ساما حول بنادیا گیا ہے۔ بھارت بھر میں مسلم کش پالیسیاں بھی تسلسل سے جاری ہیں۔ معمولی سے معمولی واقعے میں آئی، ایس آئی اور

پاکستان کو جوڑنے اور عوامی ہمدردیاں حاصل کرنے کے پرانے ڈرامے کی شدومد سے ریہرسل جاری ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں مزید ڈیڑھ لاکھ فوج بھیج دی گئی ہے۔

اس جلن اور کڑھن کے پیچھے آخر کون سے عوامل ہیں جنہوں نے ہندوستانی حکمرانوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں اور یہ جاننے کے باوجود کہ پاکستان کوئی نوالہ نہیں جسے وہ آسانی سے کھا جائیں گے اور ہضم بھی کر لیں گے۔ ویسے تو اس ضمن میں کسی خاص سوچ و فلسفے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہندوستانی پریشانی کے اسباب روز روشن کی طرح عیاں ہیں لیکن پھر بھی یاد دہانی کے لیے ان عوامل کا تذکرہ ضروری ہے۔ تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

1۔ آسام، ناگالینڈ، خالصتان اور دیگر چھیس جگہوں پر آزادی کی تحریکیں جاری ہیں اور وہاں کے باشندگان کا صرف ایک ہی مطالبہ ہے کہ ہمیں آزادی دو۔ ہم ہندوستان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔ ظاہر ہے ان تحریکوں

سے بڑے لوگوں کی آواز کو میڈیا اور ہندوستانی عوام سے دور رکھنے کے لیے پاکستان دشمنی، آئی ایس آئی سے زیادہ موثر پتا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

2۔ پرویز مشرف کے ہندوستان کے سامنے بچھ جانے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کو پس پشت ڈال کر اسے حل کرنے، کشمیر کی پشتی بانی سے انحراف اور ہندوستان کو خوش کرنے کے دیگر عوامل سے انہوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا تھا کہ اب تحریک آزادی کشمیر ختم، مجاہدین ختم، کشمیر اٹوٹ انگ بنانے کے خواب کی تعبیر پانے کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن گذشتہ دنوں وادی میں موجود مقبوضہ کشمیر کے مقامی مجاہدین کی سوشل میڈیا پر تصاویر اور رہندوستانی فورسز پر شدید حملوں نے بھارتی سرکار کی تمام خوش فہمیوں کو ہوا میں اڑا دیا ہے اور وہ تھنک ٹینکس جو کشمیری ہندوستان کے ساتھ ہیں کاراگ الاپتے نہیں تھکتے تھے کو دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ نہ تو علی گیلانی اور حریت رہنماؤں نے آزادی کے

## علم

(لاہیرا سب۔ ڈاس چڑھوئی)

☆ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

☆ علم جنت کے راستوں کا نشان ہے۔

☆ علم دلوں کی روشنی ہے۔

☆ علم آنکھوں کا نور ہے۔

مطالبے کو چھوڑا ہے اور نہ ہی کشمیری آزادی سے کم کسی بات پر سمجھوتہ کرتے نظر آتے ہیں۔ لہذا آپ لوگوں کو اپنے کلاس فیلوز، گھر والوں اور تمام جاننے والوں کو یہ حقیقت بتانی چاہیے کہ ہندوستانی پریشانی کے پیچھے کچھ اور عوامل ہیں اور وہ اپنی عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے، کشمیر سمیت دیگر تصفیہ طلب مسائل سے توجہ ہٹانے کے لیے کوشاں ہے۔ لہذا ہمیں اپنی فوج، مخلص حکمرانوں اور مقبوضہ کشمیر کے آزادی کے لیے تڑپتے لوگوں کی ہر طرح سے مدد اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تاکہ دشمن کے ناپاک عزائم خاک میں مل جائیں۔ ایسا ہی ہوگا رحیم چاچا، تمام بچوں نے مل کر نعرہ لگایا پاکستان پابند باد۔





## خاموشیاں

وقاص احمد ڈار

وہ خاموش بیٹھا غور و فکر میں مصروف تھا کہ اچانک کمرے سے آواز آئی، بیٹا رات بہت ہوئی ہے۔ کام کے ساتھ ساتھ انسان کو آرام کی بھی ضرورت ہے۔ اماں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ اُس نے کہا، اماں کیا آپ نہیں چاہتی کہ میں محنت کروں؟ ایک اچھا اور بڑا آدمی بنوں؟ اپنے ماں باپ اور اپنے اس جنت نظیر خطہ گلگت بلتستان اور پاکستان کا نام

روشن کروں؟ اپنی سوسائٹی کا نام دنیا میں روشن کروں؟ اپنے لیے تو سب جیتے ہے مگر میں دوسروں کیلئے جینا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ غریب اور لاچار لوگوں کے کام آؤں۔ اُس نے وہ تاریخی جملہ دہرایا۔ اماں زور سے ہنسی اور کہا بیٹا۔۔۔ آج کل بڑا آدمی بننا آسان نہیں ہے اور جہاں تک بڑا آدمی بننے کا سوال ہے تو سن لو یہ خواب ہم دیکھ سکتے ہیں مگر خواب سے آگے

بڑھ کر اس میں سچائی ڈھونڈنا ہماری بے وقوفی ہوگی۔ اس لئے تم اس خوابوں کی دنیا سے نکلو اور آرام کر لو صبح نماز اور قرآن کریم کی تلاوت کے بعد کام کرو گے۔ اُسے اماں کی باتیں دل ہی دل میں ڈس رہی تھی اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی ماں نے جو بھی کہا سب کچھ صحیح اور ٹھیک ٹھیک کہا ہے یہاں بڑے بڑے خواب دیکھ کر اس پر عمل کرنے کا سوچنا اپنے پاؤں پر کھلاڑی مارنے کے مترادف ہوگا، تاریک رات تھی، سب سوئے تھے۔

تاریک رات میں بجلی کی تو آنکھ پھولی پھل رہی تھی ایک گھنٹہ آتی تو دو گھنٹے جاتی جینا دو بھر ہو گیا تھا، ایسا لگ رہا تھا، جیسے ہر طرف خاموشیاں ہی خاموشیاں ہیں، وہ سوچوں کی دنیا میں کھو گیا، اس کو کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا، سوچتے سوچتے کب اس کی آنکھ لگ گئی پتا ہی نہیں چلا۔ آنکھ لگی ہی تھی ابو نے اسے صبح کی نماز کے لیے جگایا۔ دادی اماں نے قرآن پڑھایا۔ اس دن اُس کی عجیب کیفیت تھی۔ پہلے تو وہ ایک بار پڑھانے سے یاد کرتا تھا۔ آج

دادی اماں نے تین دفعہ اسے پڑھایا مگر اسے پھر بھی سبق یاد نہیں ہو رہا تھا۔ اماں کی باتیں ابھی تک اسے ستا رہی تھیں۔ پڑھائی پہ اُس کا دھیان نہیں تھا۔ اتنے میں دادی اماں مسکراتی ہوئی بولی۔ وقاص کیا بات ہے؟ کوئی پریشانی ہے کیا؟ کیوں اداس ہو آج صبح صبح؟ اس کو دادی اماں کے سوالات کا ہوش ہی نہیں تھا وہ تو رات کو اماں کی کہی باتوں کو لے کر وہ بہت پریشان تھا۔ اُس نے کچھ ہی دن پہلے ہی صدر بزم روشنی سے سنا تھا۔ اس کو سکول اسمبلی خطاب میں کی ہوئی صدر بزم روشنی کی ایک بات یاد آ رہی تھی اس کے کانوں میں یہ الفاظ بار بار گونج رہے تھے۔ دنیا میں ہر کام مشکل ہے، مگر ناممکن نہیں، شرط محنت ہے، جس طرح کھیل میں کھلاڑی جب تک ہار خود نہ مان لے تب تک اس کو کوئی نہیں ہرا سکتا، فیصلہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر چھوڑ دو تم صرف محنت کرو اور پھر دیکھو کیسے پہاڑ تمہارے پاؤں کے نیچے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ وہ انہی خیالات میں گم تھا کہ دادی اماں کی آواز پھر سے اس کے کانوں میں گونجی اور اس





## نماز

(کشف اصغر۔ ڈاس چڑھوئی)

- ☆ نماز دین کا ستون ہے۔
- ☆ نماز مومن کی معراج ہے۔
- ☆ نماز حضور ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔
- ☆ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔
- ☆ کافر اور مسلمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔
- ☆ قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔
- ☆ بے نمازی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

☆☆☆

اس رات اُس نے ہمیشہ کی طرح ڈائری کھولی اور اپنے زندگی کا مقصد طے کیا۔ اور ان باتوں کو لکھتا گیا۔ وہ روز لکھتا تھا کہ اس سے بڑے کام زیادہ ہوتے ہیں یا اچھے؟ اس طرح وقاص ہر رات کو اپنا احتساب کرتا کہ اس نے گزرے ہوئے دن میں کیا اچھا کیا اور کیا برا کیا، کیا کھویا اور کیا پایا؟ اس کو دیکھتے ہوئے وہ نئے دن کا آغاز کرتا تھا۔ آج کا دن اُس کے لیے بہت خوشگوار تھا۔ کیونکہ آج اس نے اپنی زندگی کا مقصد طے کیا تھا۔ اب وہ خاموشی سے اپنے خواب کی تعبیر کے حوالے سے لائحہ عمل طے کر رہا تھا۔ دروازے کے کھولنے کی آواز سنائی دی۔ اماں دودھ لے کے آئی تھی اور جاتے ہوئے کہا بیٹا دنیا میں ہر کام مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ شرط محنت ہے۔ مگر اپنی صحت کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیے۔ اب اُسے ان خاموشیوں کا انتظار تھا جو چین آرام اور سکون کی ہوتی ہے۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح اس نے اپنے نئے سفر کا آغاز کرنا تھا۔

☆☆☆

مجید سٹیج پر پہنچ گئے۔ ڈاکس پہ ایک زوروں کا مکہ مار کر سر مجید نے تقریر کا آغاز کر دیا۔ جوش، جذبے اور سخت ترین لہجے میں کہا۔ سکول، میٹرک، چھوٹی سی نوکری، چھوٹا سا گھر اور شادی کیا یہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ یہ کہہ کے کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔ سب پر کپکپی طاری ہوئی۔ خاموشی کا سماں چھا گیا۔ سب بے تاب سے انتظار میں تھے کہ اچانک سب چونک کر سٹیج کی طرف دیکھنے لگے۔ کیونکہ اس بار ڈاکس کو دو ککے اور ایک لات بھی پڑی تھی یہ سر مجید کا انوکھا انداز تھا کہ جب وہ سٹیج پر تقریر کیلئے جاتے تو ڈاکس کی تو جیسے شامت ہی آئی ہو۔ اس نے بات کو سلیقہ دیتے ہوئے بات جاری رکھی۔ نہیں نہیں آج کے اس دور میں آپ کی سوچ پی۔ ایچ۔ ڈی تک ہونی چاہیے۔ لیکن اس کے لیے آپ کو حوصلے کے ساتھ محنت کرنی ہوگی۔ اور یہ طے کرنا ہوگا آج سے دس سال بعد آپ نے کہاں پہ ہونا ہے۔ وقاص اسی کشمکش میں تھا کیونکہ اماں اور سر کی بات الگ الگ تھی۔ جواتی آسانی سے سمجھ آئی مشکل تھی۔

بارودادی اماں نے ذرا زور سے پوچھا آج بڑے اداس ہو بیٹا خیر تو ہے؟ کس کی نظر لگ گئی تمہیں؟ وقاص نے پورا قصہ سنایا۔ دادی اماں نے کہا۔ دیکھو تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ محنت اور حوصلے سے کام جاری رکھنا چاہیے۔ باقی قسمت کی بات ہے۔ جو تمہاری قسمت میں ہے ضرور ملے گا۔ اور ہاں صرف قسمت آزمانا اور اس کے لئے کوئی محنت اور دوڑ دھوپ نہ کرنا غیر اسلامی بات ہے۔ اور ہم ہمیشہ کامیابی مانگتے ہوئے پہلے دنیا کی کامیابی مانگتے ہیں بعد میں آخرت میں کامیابی کی دعا مانگتے ہیں۔ یہی قرآن کا طریقہ دعا بھی ہے۔ بھروسہ رکھو اللہ تمہارے ہر کام اور ہر مشکل میں آسانی کریں گا۔ دادی اماں کی باتوں سے اس کو حوصلہ ملا۔ اور نئی امید لے کے وہ اسکول روانہ ہوا۔

آج سر مجید کی تقریر کی باری تھی۔ سب بڑی خاموشی سے انتظار میں تھے۔ سر مجید تقریر بڑے جوشیلے انداز میں کرتے ہیں۔ اتنے میں سٹیج پر سر کو بلایا گیا۔ تالیوں کی گونج کے ساتھ سر





## تنہائی کے 9 حیرت انگیز اثرات

دنیا میں کون شخص ہے جس کو کبھی نہ کبھی تنہا ہونے کا احساس نہیں ہوتا، کوئی ایسا لمحہ جو اسے زندگی میں سماجی طور پر کسی سے بھی جڑے نہ ہونے کا احساس دلاتا ہے اور اس وقت یہ دنیا جو بظاہر بہت بڑی نظر آتی ہے دشمن محسوس ہونے لگتی ہے اور ہم خود کو بہت چھوٹا محسوس کرنے لگتے ہیں۔ تنہائی یا تنہا ہونے کا احساس ہر شخص پر مختلف انداز سے اثر انداز ہوتا ہے اور یہ ایسا چکر ہے جو شروع ہوتا ہے تو اس کا اختتام نہیں ہوتا،

یہاں تک کہ جانوروں کے لیے بھی یہ احساس جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ تاہم زندگی کے اس احساس کو سمجھنا آپ کو کسی تاریک غار کی گہرائیوں میں ڈوبنے سے بچانے میں مددگار بھی ثابت ہو سکتا ہے جبکہ اس کے کچھ اثرات آپ کو دنگ بھی کر سکتے ہیں۔

☆ تنہا رہنے کی بجائے برقی جھٹکے قبول! ایک منٹ کے لیے تصور کریں کہ آپ کے پاس کچھ کرنے کے لیے نہ ہو، نہ کہیں جاسکتے ہوں

اور کوئی بھی آپ سے بات نہ کرنا چاہتا ہو، آپ کا کام ہی بس ایک کمرے میں بیٹھ کر سوچنا ہو یا خیالی پلاؤ بنانا ہو۔ اب بتائیں کیا آپ اپنے ذہن میں گم رہ کر زندہ رہنا پسند کریں گے، سننے میں زبردست لگتا ہے نا؟ مگر ایسا کرنا عملی طور پر انسان کے لیے ممکن ہی نہیں۔

ہاورڈ یونیورسٹی اور ورجینیا یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق بیشتر افراد کی نظر میں یہ تصور ہی ناقابل برداشت ہے بلکہ بیزار کن ہے چاہے اس سے بچنے کے لیے انہیں خود کو تکلیف ہی کیوں نہ اٹھانی پڑے وہ اس سے گریز بھی نہیں کریں گے۔ اس تحقیق کے دوران 18 سے 77 سال کی عمر کے افراد پر تجربات کرتے ہوئے انہیں چھ سے 15 منٹ تک ایک کمرے میں تنہا بیٹھنے کے لیے کہا گیا اور عمر کے فرق سے ہٹ کر نتائج یکساں ہی رہے۔ ان افراد کے لیے سوچنا مشکل ہو گیا، توجہ مرکوز کرنا مشکل ہو گیا، وہ انتہائی بیزاری اور خود کو مشکل میں محسوس کرنے لگے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایسے افراد خود کو تھکاوٹ کا شکار اور ذہنی انتشار میں مبتلا

محسوس کرنے لگے جس کے باعث ان کے لیے سوچنا مشکل ہو گیا۔ محققین کا کہنا ہے کہ اپنے گھروں میں بھی لوگ ایسے حالات میں موسیقی سن کر یا موبائل فون پر گیمز کھیل کر اپنی توجہ بھٹکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس تجربے کی خاص بات یہ تھی کہ رضا کاروں کو آپشن دیا گیا کہ اگر وہ اس کمرے سے نکلنا چاہتے ہیں تو انہیں ایک بٹن دبانا ہوگا جس سے ایک برقی شاک لگے گا مگر انہیں باہر نکال لیا جائے گا۔ تجربے کے شروع میں پیسے ملنے کے باوجود رضا کاروں نے برقی جھٹکا کھانے سے انکار کر دیا تھا مگر تجربے کے دوران انہوں نے تنہا رہنے کے احساس پر کرنٹ کھانے کو ترجیح دی حالانکہ اس کمرے میں انہیں صرف 15 منٹ ہی گزارنے تھے۔

☆ تنہائی ایک بیماری کی طرح پھیلتی ہے آپ نے ایسی فلمیں تو دیکھی ہوں گی جن میں زومبیز یا زندہ مردے کا مرض دنیا بھر میں پھیل جاتا ہے اور تنہائی کا احساس بھی کسی مرض کی طرح پھیل سکتا ہے۔ شکاگو یونیورسٹی کی تحقیق





روزانہ 15 سگریٹ استعمال کرنے کے برابر صحت کے لیے خطرناک ہے۔

امریکا کی برمنگھم یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق نوجوانوں میں تنہائی کا احساس ان کی زندگی کا دورانیہ کم کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔ تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ تنہائی اور قبل از وقت موت کے درمیان تعلق موجود ہے اور یہ خطرہ موٹاپے کے شکار افراد کے برابر ہوتا ہے جبکہ دنیا سے کٹ جانے کا احساس صحت کے لیے تمباکو نوشی کی طرح تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ محقق جولین ہولٹ لونسڈیڈ کے مطابق ہمیں اپنے سماجی تعلقات کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہئے کیونکہ تنہا ہو جانا صحت کے لیے انتہائی سنگین

☆ جانوروں کو بھی تنہائی برداشت نہیں ہمارا خیال ہے کہ تنہائی صرف انسانوں پر ہی اثر انداز ہوتی ہے اور جانوروں کو اس کی پروا نہیں ہوتی مگر یہ درست نہیں۔ ایک تحقیق کے دوران افریقی گرے طوطوں کو تنہا رکھا گیا تو کافی حیران کن نتائج سامنے آئے۔ تحقیق کے مطابق تنہائی اور الگ تھلگ ہونے کا تنہائی ان کے جینیاتی نظام کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور وہ تیزی سے موت کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک حالیہ تحقیق میں یہ بات سامنے آئی کہ مختلف جانور تنہائی کے اثرات کا شکار ہوتے ہیں، ٹوکیو یونیورسٹی کے مطابق کسی جانور کو تنہا کر دینا اس کی زندگی کی مدت میں 91 فیصد تک کمی کر سکتا ہے۔ جس کی وجہ خوراک کا زیادہ ہو جانا ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی خوراک ایک دوسرے سے بات کر کے اپنے نظام ہاضمہ کو درست رکھتے ہیں مگر تنہا ہونے پر ایسا نہیں ہو پاتا اور بس تنہائی کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں۔

☆ تنہائی مٹاپے کی طرح جان لیوا اور

بھی شکار بنا سکتا ہے۔ تنہا افراد کا دماغ بھی مختلف ہوتا ہے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تنہا افراد کے دماغ دیگر افراد کے مقابلے میں مختلف ہوتے ہیں۔ شکار گویونیورسٹی کی ایک تحقیق میں لوگوں سے ایسے سوالات کیے گئے جن سے ان کی تنہائی کا پتا چلایا جاسکے۔ ایسے تنہا افراد کو جب ایسے لوگوں کی تصاویر دکھائی گئیں جو خوش باش تھے تو ان کے دماغ کے اس حصے میں سرگرمی نہ ہونے کے برابر تھی جو مسرت اور انعام ملنے پر سرگرم ہوتا ہے۔ اس بارے میں تو محققین پر یقین نہیں کہ دماغی سرگرمیاں نہ ہونے کی وجہ تنہائی کا باعث بنتی ہے یا الگ تھلگ ہونے کے نتیجے میں ان کا دماغ خود کو دیگر افراد سے کاٹ لیتا ہے مگر یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ ان کے دماغ مختلف ہوتے ہیں۔

تنہائی سرد درجہ حرارت کے اثرات کو بھی ظاہر کرتی ہے، ٹورنٹو یونیورسٹی کے بقول تنہا افراد کے لیے اوسط درجہ حرارت بھی زیادہ سرد ہوتا ہے، جبکہ وہ گرم مشروبات کا بھی زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

کے مطابق تنہائی بھی ایک خطرناک جراثیم کی طرح پھیل سکتی ہے، اس کا آغاز آپ کی حوصلہ شکنی سے ہوتا ہے اب چاہے وہ کسی دوست کا کوئی جملہ ہو یا کچھ اور جو غیر اطمینان بخش ہو۔ اگر آپ کا مزاج خوشگوار ہے تو ہو سکتا ہے کہ آپ ان چیزوں کا نوٹس نہ لیں مگر کسی اداس دن پر یہ براہ راست آپ کے دل پر حملہ کرتی ہیں، یہ ذہن سے چپک جاتی ہیں اور اکثر دوستوں سے تعلقات بھی اس وجہ سے بگڑ جاتے ہیں جبکہ اسی مزاج کے ساتھ آپ دیگر افراد کو بھی اسی احساس کا شکار کر دیتے ہیں۔ محققین کے مطابق تنہائی کے شکار افراد لاشعوری طور پر اپنے اقدامات سے خود کو مزید تنہا کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ چیز سماجی تناؤ کا باعث بنتی ہے جس کا شکار دیگر افراد ہوتے ہیں۔

تحقیق کے مطابق یہ احساس بالکل کسی چھوت کے مرض کی طرح ایک سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے اور اس طرح بڑے حلقے تک پھیل جاتا ہے۔ اس میں شدت کے نتیجے میں ذہنی امراض، ڈپریشن اور تنہائی کا شدید احساس



ثابت ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دنیا بھر میں تنہا افراد کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ محققین کا مزید کہنا تھا کہ بزرگ افراد کو تنہا کر دینے کا رجحان کافی عرصے سے عام ہے مگر اب نوجوانوں میں طلاق کی بڑھتی شرح نے ان کے اندر تنہائی کا احساس بڑھا دیا ہے جس سے ان کے اندر مختلف جذباتی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

☆ فیس بک۔۔ تنہائی کے اشارے کا اظہار

فیس بک پر ہر قسم کا اسٹیٹس اپ ڈیٹس ہو سکتا ہے کہ دیگر افراد کو پسند نہ آئے مگر دنیا کی مقبول ترین سماجی رابطے کی اس ویب سائٹ پر بہت زیادہ شیئرنگ کسی فرد کی جانب سے تنہائی کے اشارے کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ نیو ساؤتھ ویلز کی چارلس اسٹیورٹ یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق 79 فیصد افراد جو خود کو تنہا سمجھتے ہیں اپنی ذاتی معلومات جیسے پسندیدہ کتابیں، فلمیں وغیرہ ظاہر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ تنہائی کے شکار 98 فیصد افراد اپنے تعلقات کے اسٹیٹس کو دوستوں تک

محدود رکھنے کی بجائے ہر ایک کیلئے عام کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے گھر کا پتا بھی شیئر کر دیتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق تنہائی کے شکار افراد کو فیس بک پر اپنے خیالات یا معلومات شیئر کر کے اطمینان کا احساس ہوتا ہے اور انہیں اپنے عارضے پر قابو پانے میں مدد بھی ملتی ہے۔

☆ تنہائی جسمانی دفاعی نظام اور صحت کے لئے خطرناک قرار

تنہائی کا احساس جسم کے دفاعی نظام اور صحت کے لئے خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ اوہائیو اسٹیٹ یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق تنہائی سے جسم میں ایسے پروٹین کی مقدار بڑھ جاتی ہے جو امراض قلب، ٹائپ ٹو ڈیابیطس، الزائمر اور دیگر امراض کا سبب بنتے ہیں۔ تحقیقی ٹیم کی قائد لیزا جرمیکا کے مطابق سابقہ اسٹیڈیز میں یہ بات تو واضح ہو گئی تھی کہ خراب رشتے متعدد طبی مسائل کا سبب بنتے ہیں، تاہم ہماری تحقیق میں تنہائی اور رشتوں کے باہمی تعلق اور ان کے صحت پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس

تحقیق کے دوران متوسط طبقے کے فریبہ افراد اور بریٹ کینسر سے نجات پانے والے لوگوں کے 2 گروپس کا جائزہ لیا گیا۔ جس کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ سماجی قطع تعلق اور تنہائی جسمانی دفاعی نظام کو تھس نہیں کر دیتی ہے اور وہ متعدد اقسام کے امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

☆ ٹیکنالوجی سے نوجوان نسل تنہائی کی شکار ٹیکنالوجی کے نشے میں مبتلا افراد میں تنہا

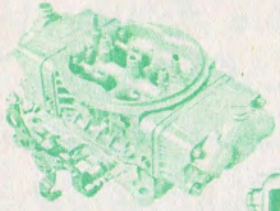
زندگی گزارنے کا رجحان زور پکڑنے لگا ہے۔ برطانیہ میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق اسمارٹ فونز، آئی پیڈ، اسی میل، ایس ایم ایس اور دیگر ڈیوائسز کے باعث نوجوانوں کی جسمانی اور سماجی سرگرمیاں ختم ہو کر رہ گئی ہیں۔ تحقیق کے مطابق اس وقت ٹیکنالوجی کے عادی نوجوانوں کا کسی چیز کے لئے دکان پر جانا بھی 4 گنا کم ہو گیا ہے۔ تحقیق کے مطابق 19 فیصد برطانوی نوجوان ٹیکنالوجی کی دنیا میں اس حد تک گم ہیں کہ دو، دو روز کسی سے بات کئے بغیر گزار دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کے الفاظ کمپیوٹرز

یا ایس ایم ایس تک ہی محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ نوجوان موبائل فون اور ٹیلیٹ کے بغیر کہیں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتے، یہاں تک کہ کھانا بھی انٹرنیٹ کے ذریعے خریدنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

☆ چند سوالات

کیا آپ سب کچھ چھوڑ کر کہیں دور نکل جانا چاہتے ہیں تاہم آپ کی خواہش مکمل تنہائی کی ہو تو؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ دنیا کا سب سے الگ تھلگ تنہا مقام کونسا ہے؟ اگر نہیں تو جان لیں کہ یہ پوائنٹ نیو ہے جو کہ جنوبی بحر اوقیانوس کے وسط میں مہر آئی لینڈ، ایٹرن آئی لینڈ اور ڈیوکس آئی لینڈ کے درمیان واقع ہے۔ پوائنٹ نیو کی دریافت 1992 میں سیٹلائٹ ٹیکنالوجی کی مدد سے اس خطے کا نقشہ تیار کرتے ہوئے ہوئی اور اس وقت اسے یہ نام بھی دیا گیا۔ یہ مقام اوپر درج کیے گئے جزائر سے 2300 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور اس میں کسی قسم کے جاندار نہ ہونے کی وجہ سے اسے دنیا کا سب سے تنہا مقام بھی قرار دیا گیا ہے۔





## گھوڑا اور کار بور میٹر

خوف کے وہاں سے دوڑ لگا دی۔ فاصلے پر ایک ہوٹل تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اس میں داخل ہوا اور لمبا سانس لے کر ایک کرسی میں دھنس گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کے حواس بحال ہوئے، تو اس نے اپنی برابر والی میز پر بیٹھے ایک شخص کو مخاطب کیا اور اسے سارا واقعہ تفصیل سے سنایا۔ یہ واقعہ سن کر اس نے پوچھا ”گھوڑا سفید رنگ کا تو نہیں تھا؟“

”ہاں۔ یہ سفید رنگ کا تھا!“

”اس کی دم کٹی ہوئی تھی؟“

”ہاں۔“

”اس کی کمر کے دائیں جانب ایک سیاہ

داغ بھی تھا؟“

ایک سنان ملزک پر چلتے چلتے ایک شخص کی کار خراب ہو گئی، وہ کار سے اترا اور نقص معلوم کرنے کے لیے اس نے ابھی بوٹ اٹھایا ہی تھا کہ قریب سے آواز آئی ”اس کا کار بور میٹر خراب ہے۔“ اس نے گھبرا کر آواز کی سمت دیکھا تو ادھر صرف ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ اس پر یہ شریف آدمی بہت پریشان ہوا۔ اس نے اپنا وہم دور کرنے کے لیے گھوڑے کو تھوٹنی سے پکڑا اور کہا ”یہ آواز تمہاری تھی؟ اگر تمہاری تھی تو ذرا پھر سے کہو جو تم نے ابھی کہا تھا۔“

گھوڑے نے پورے سکون سے کہا ”تمہاری کار کا کار بور میٹر خراب ہے۔“ اس پر شخص مذکور کی گھگھکی بندھ گئی اور اس نے مارے

## بہادر کسان

حفیظ جالندھری

کڑی دھوپ چاروں طرف چھا گئی  
ہوا جس کی گرمی سے تھرا گئی  
یہ بیلوں کی یہ جوڑی جو گھبرا گئی  
تو اس کی جگہ دوسری آ گئی  
اکیلا کھڑا ہے مگر سخت جان  
بڑا سختی ہے بہادر کسان

ہے دنیا کی جنت فقط اس کے پاس  
یہ محنت سے کرتا ہے سب کام اس  
یہ ترکاریاں، یہ اناج اور کپاس  
پھلوں کا مزا اور پھولوں کی باس  
اسی سے تو لیتا ہے سارا جہان  
بڑا سختی ہے بہادر کسان

☆☆☆

سویرے اندھیرے اندھیرے اٹھا  
لیے بیل کھیتوں کی جانب چلا  
ہے سارا زمانہ ابھی سو رہا  
مگر اس کا یہ وقت ہے کام کا  
اسے ہر گھڑی کام ہی کا دھیان  
بڑا سختی ہے بہادر کسان

کبھی بیل کا دل بڑھاتا ہوا  
کبھی موڑتا اور ہٹکاتا ہوا  
کبھی ہل کی ہتھی دباتا ہوا  
یہ چلتا ہے جب ہل چلاتا ہوا  
کوئی دیکھے تو اس گھڑی اس کی شان  
بڑا سختی ہے بہادر کسان





”ہاں“ اس شخص نے ڈری ڈری آواز میں جواب دیا۔ یہ سن کر اس شخص نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا ”پھر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اس گھوڑے کو کاربور میٹر کا کچھ پتا نہیں!“ یہ لطیفہ ہم نے سنا تو کافی عرصہ قبل تھا مگر آج کل ہمیں یہ دن میں تین چار مرتبہ یاد آتا ہے۔ یاد کیا آتا ہے یا ر لوگ یاد دلاتے ہیں۔ مثلاً گزشتہ روز ایک محفل میں ہم مہنگائی کا رونا رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ گوشت کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں، دالوں نے ناکوں چنے چبوا دیے ہیں، سبزیاں عام آدمی کی دسترس سے باہر ہو گئی ہیں۔ آٹا، چاول، گھی، سگریٹ اور چائے بھی آنکھیں دکھانے لگے ہیں۔ اچانک اس گفتگو کے دوران محفل میں موجود ایک ذخیرہ اندوز نے گھور کر ہماری طرف دیکھا اور کہا ”تم نے ایف اے میں معاشیات پڑھی تھی؟“ ہم نے کہا ”نہیں!“

پوچھا ”بی اے میں؟“ ہم نے کہا

”نہیں!“

بولائیم اے میں؟ ہم نے جواب دیا ”نہیں!“

یہ سن کر اس ذخیرہ اندوز نے قہقہہ لگایا اور اہل محفل سے مخاطب ہو کر کہا ”تم لوگوں کو مہنگائی سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اس شخص کو معاشیات کا کچھ پتا نہیں!“

اسی طرح چند روز قبل ہم نے ایک مولوی صاحب کی تقریر سنی۔ اس تقریر کے دوران ان کے منہ سے جھاگ بڑھ رہا تھا۔ اپنی اس ایک کھٹنے کی تقریر کے دوران انھوں نے مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا کہ خدشہ تھا مزید آدھ گھنٹا اگر انھوں نے اور تقریر کی تو اس اکثریت والے خطے میں مسلمان اقلیت میں رہ جائیں گے۔

چنانچہ ہم نے گھبرا کر اپنے برابر کھڑے ان مولوی صاحب کے ایک عقیدت مند سے فریاد کی اور کہا ”کبھی موقع ملے تو حضرت صاحب کو سمجھائیے کہ ایسے اختلافی مسائل پر اتنے حتمی فتوے صادر کرنے سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہوتا ہے! ہماری یہ بات قریب کھڑے کچھ اور لوگوں نے بھی سن لی اور انھوں نے ڈرتے ڈرتے ہماری تصدیق میں سر ہلایا۔

اس پر مولوی صاحب کے اس عقیدت مند نے ہمیں مخاطب کر کے پوچھا ”تم نے کسی عالم کے آگے زانوئے تلمذتہ کر کے قرآن کی تفسیر پڑھی ہے؟“ ہم نے کہا ”نہیں!“

پوچھا ”حدیث پڑھی ہے؟“ ہم نے کہا ”نہیں!“

بولوا ”فقہ پڑھی ہے؟“ ہم نے کہا ”نہیں!“

اس پر اس نے قہقہہ لگایا اور لوگوں سے مخاطب کر کے کہا ”تمہیں اس شخص کی باتوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس شخص کو دین کا کچھ پتا نہیں۔“

یہ گھوڑے اور کاربور میٹر والا لطیفہ ہمیں اس وقت بھی یاد آیا تھا جب ایک جلسے میں ایک مقرر اپنی جماعت کے علاوہ باقی جماعتوں کو ”پاکستان دشمن“ قرار دینے پر تلا ہوا تھا۔ ہم اس تقریر کے دوران تمللاتے رہے۔

بالآخر ہم سے نہ رہا گیا چنانچہ ہم نے وہاں کھڑے لوگوں سے کہا ”اپنے پاکستانی ہونے پر فخر کرنا فخر کی بات ہے، لیکن کسی کو غدار

قرار دینے سے قبل کم از کم ایک ہزار مرتبہ سوچنا چاہیے!“ اس پر ایک کارکن نے گھور کر ہماری طرف دیکھا اور کہا ”قیام پاکستان کے وقت تمہاری عمر کتنی تھی؟“ ہم نے کہا ”چار سال!“

پوچھا ”تم کسی جلوس میں شریک ہوئے تھے۔“ ہم نے کہا ”نہیں!“

پوچھا ”لاٹھی وغیرہ کھائی تھی؟“ ہم نے جواب دیا ”نہیں!“

اس پر اس نے قہقہہ لگایا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا ”تمہیں اس کی باتوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اس شخص کو محبت وطن اور غیر محبت وطن کا کچھ پتا نہیں!“

سو یہ لطیفہ جو ہم نے کالم کے آغاز میں سنایا تھا ایسے ہی مواقع پر دن میں کئی مرتبہ ہمیں یاد آتا ہے اور جیسا کہ ہم نے کہا یاد کیا آتا ہے یا ر لوگ ہمیں یاد دلاتے ہیں، چنانچہ رفتہ رفتہ خود ہمیں یہ یقین ہونے لگا ہے کہ ہم واقعی گھوڑے ہیں اور ہمیں کاربور میٹر کا کچھ پتا نہیں، بلکہ اب تو ہمیں شبہ گزرنے لگا ہے کہ ہم گھوڑے بھی نہیں بلکہ گدھے ہیں اور ہمیں کچھ بھی پتا نہیں!



کو سٹوڈنٹس ہمیں سفر کے آغاز پر لیز (Lays) دیے گئے۔ جب ہم ارجے سے مری والی سائیڈ

نکلے تو مجھے پہلی مرتبہ یہ سڑک دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ مری بازار تک ہم غمتیں سنتے رہے۔ ہاں البتہ راستے میں مجھے دو ترانے پڑھنے کا موقع ملا۔

جونہی ہم مری بازار میں داخل ہوئے تو ہمیں کھانے کے لیے کچھ چیزیں دیں گئی۔ اب ہماری منزل کوہالہ تھی۔ آخر نظریں بھٹکیں تو کوہالہ نظر آ ہی گیا۔ وہاں پر چند تصویریں لیں۔ دریا بھی دیکھا اور پھر میں اپنے منفرد اور پسندیدہ معلم کے پاس بیٹھ گیا۔ ان سے بھی کچھ معلومات جمع کیں۔ اب ہم مری کی طرف رواں دواں تھے۔ جونہی ہم مری میں داخل ہوئے تو ہمیں SOZO پارک جانا پڑا۔ پرنسپل طاہر گلزار صاحب نے ٹکٹ لیے اور سب پارک میں داخل ہو گئے۔ میں قاری لیتق صاحب کے ساتھ ہی رہا۔

سوزو پارک میں پہلے ہم جھولے پر بیٹھے قاری صاحب کے ساتھ بیٹھا، تصویریں بنی اور ایک گونج کے ساتھ جھولا چل پڑا۔ مجھے پہلے ڈر

دیگر سٹاف نے کھانے کا سامان لیا اور پورا آغوش سوائے دو آدمیوں کے سیر کو نکل پڑا۔

اب آئیے گاڑیوں کی طرف تو دو کو سٹریں اور ایک ادارہ ہذا کا کیری ڈبہ تھا۔ گاڑیوں میں بچوں کو دو گروپوں میں بٹھایا گیا۔ اب جس گاڑی میں ہمارا گروپ بیٹھا، پہلی خوشی تو یہ تھی کہ ہمارے گروپ کی ذمہ داری قاری لائق صاحب کے پاس تھی۔ تمام بچے نشستوں پر بیٹھ گئے اور سفر کی دعا سے سفر کا آغاز ہوا۔

ارے یہ تو میں بھول ہی گیا کہ ہم نے گاڑی کے سامنے والے حصے پر بیٹھ بھی سجایا ہوا تھا۔ اتنے زیادہ انتظار۔ دیکھنے کے بعد آدمی تو ہول ہی جاتا ہے۔

سفر کا آغاز پرسکون، دل فروزا اور پرامن تھا۔ جونہی ہم ریڈ فاؤنڈیشن کے پاس سے گزرے تو ڈرائور صاحبان کو یاد آیا کہ لمبا سفر ہے مائز تو چیک کروالیں۔ ہم نے ایک دن میں تین تاریخی جگہوں کی سیر کرنی تھی جن میں مری، فیصل مسجد اور ایوب پارک تھے۔ اب آگے کیری تھا اور اس کے بعد بتدریج

اے ارض پاک تیری خوبصورتی کو کیا کہوں آنکھیں تملنا انھیں صرف ایک نظارے سے ہمیں معلوم ہے کہ ہر ادارہ، ہر سکول سال میں ایک بار ضرور سیر کو جاتا ہے۔ اس سیر کا بنیادی مقصد آپ سب کو بخوبی معلوم ہے۔ آغوش الخیر مت ایک مقبول ادارہ ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ بچوں کو سیر پر نہ لے کر جائے۔ چاہے جتنا بھی انتظار کیا مگر آخر کار 9 جون آ ہی پہنچا۔

8 جون کی دوپہر سیر کی خوشخبری سن کر سب ہی خوشی میں مبتلا تھے۔ اب رات کو نیند بھی نہ آ رہی تھی۔ آخر چار بجے ہمیں جگایا گیا اور نماز و تلاوت کے بعد سب تیار ہونے لگے۔ تیاری مکمل تھی تو خیال آیا کہ امی سے بات کر لوں۔ والدہ سے بات کی اور ڈیڑھروں دعاؤں کی درخواست کی۔ پھر سب لائن میں کھڑے تھے۔ ایڈمنسٹریٹر صاحب نے بچوں کی خوشی کا عالم بھی دریافت کیا۔ اس کے بعد ایک اجتماعی تصویر لی گئی۔ اب بچوں کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا



آغوش  
گاہ  
مطالعاتی  
دورہ





تھا مگر اب تو لطف آ رہا تھا۔ اُترنے کو دل ہی نہیں کر رہا تھا مگر اُترنا تو تھا۔ اب آگے گئے تو کشتی جھولا تھا۔ جو اس پر بیٹھے تھے اُن کی حالت زار دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کافی خطرناک ہے۔ ہم اس پر بھی بیٹھ گئے۔ بد قسمتی سے وہ چل نہ سکا اور جب نظر سامنے اُٹھی تو شاید کوئی مصنوعی جانور تھے۔ ایک پہ بیٹھ کر بچے نیچے اور دوسرے سے اوپر آتے تھے۔ مجھے اس پر بیٹھنے کا موقع ملا۔ اب ہم نیچے پینچے تو بچے ایک رنگ جھولے پر تھے۔ دل بے تاب بھی اور گھبراہٹ کا شکار بھی تھا۔ آخر ہم اس پر بھی بیٹھ گئے۔ وہاں بھی ا ور قاری صاحب اکٹھے تھے۔ جب وہ چلا تو بے حد خوف پیدا ہوا۔ تو ہم نے دوسرے بچوں کے سامنے خوف محسوس نہ ہونے دیا۔ اور اس پر بھی کامیاب لطف ملا۔ اس کے بعد دو چیزوں کے ٹکٹ تھے۔ یا تو کار چلائی تھی یا بھوت بنگلے میں جانا تھا؛ چنانچہ میں نے کار چلانے کے خواہش کی بعض بچے بھوت بنگلے میں گئے۔ کار پہ ایک چلانے والا اور دوسرا ساتھ بیٹھنے والا تھا۔ مجھے کار چلانے کا موقع ملا سو چلائی۔ اُس کے بعد ہم

ریل گاڑی پہ بیٹھے اور لطف اندوز ہوئے۔ ادھر مصنوعی ٹانگہ بھی تھا۔ تو وہ کیسے رہ سکتا تھا۔ اس کے بعد پرنسپل صاحب اور قاری صاحب نے نہایت مشکل کام کیا۔ جسے دیکھ کر ہم بھی حیران ہوئے۔ اب کھانا بھی تو کھانا تھا۔ اس لیے سارے گاڑی کی طرف آئے اور کھانا کھانے لگے۔ اس کے بعد ہماری منزل اسلام آباد تھی۔ راستے میں بے حد خوبصورت نظارے تھے۔ اتنی پیاری سڑکیں تھیں کہ ہم سب دنگ رہ گئے۔ راستے میں مری آغوش کو بھی دیکھا جو زیر تعمیر تھا۔ پھر فارغ ہو کر دوبارہ سفر کا آغاز ہوا۔ اور ہم آہستہ آہستہ اسلام آباد کی حدود میں داخل ہونے لگے۔ راستے میں آتے ہوئے ہماری گاڑی کا ٹائر پٹچر ہوا۔ دوسرا ٹائر لگانے کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہو پڑے اور آخر فیصل مسجد جا پہنچے۔ آغاز میں ہی میں نے قاری صاحب کی تصویر لی۔ پھر ہم نے جوتے اُتارے اور مسجد میں داخل ہو گئے۔ اب ہم مسجد کے اندر تھے۔ اتنی خوبصورت مسجد، بڑے بڑے

مینار اور وسیع صحن اس سے پہلے میں نے اتنی بڑی مسجد نہیں دیکھی تھی۔ ہم نے وضو کیا اور عصر کے نماز ادا کی۔ پھر ہم نے مشترکہ تصویر بنائی۔ پوری مسجد گھومے مگر اندر ہال میں جانے کا موقع نہ ملا۔ پھر ہم باہر نکلے تو ہم نے قلیاں کھائیں۔ مسجد کے ٹھنڈے پانی سے کولر بھرا اور ایوب پارک کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو ٹکٹ لے کر ہم سب اندر چلے گئے۔ وہاں بہت سارے جانور تھے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ رات کو بھی پارک میں اتنی ریش تھی۔ وہاں پر بھی ہم نے تصویریں بنائیں اور واپسی کی تیاری کی۔ جب ہم وہاں سے نکلے تو رات کے 9 بج چکے تھے۔ وہ جگہوں پر ٹریفک والوں نے ہمیں روکا۔ راستے میں کھانا کھایا اور بالآخر آغوش واپس آ پہنچے اور سو گئے۔

ٹرپ بہت اچھا ہوا۔ میں آغوش باغ کا انتہائی مشکور ہوں جس نے اس کا اہتمام کیا اور بچوں کو تاریخی جگہوں کی سیر کروائی۔ خدا انھیں اجر عظیم سے نوازے۔ (آمین)

☆☆☆

## انقلاب

(اعتراف و حید۔ دھیر کوٹ)

انقلاب چھوٹی چھوٹی باتوں سے نہیں بلکہ انقلاب چھوٹی چھوٹی باتوں سے پیدا ہوتا ہے۔

(ارسطو)

سماجی انقلاب سے پہلے فکری انقلاب لانا پڑتا ہے۔ (لینن)

آپ انقلاب کا نظریہ اور طریقہ جانا چاہتے ہو تو آپ کو انقلاب میں شامل ہونا پڑے گا۔ (ماؤزے تنگ)

مقصد واحد کی لگن والا آدمی ہی سیاسی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتا ہے، سلطنتیں قائم کرتا ہے اور دنیا کو آئین عطا کرتا ہے۔

(علامہ اقبال)

☆☆☆





## واہ واہ

خوب صورت شاعری سے انتخاب

(راجہ عتیق احمد - مظفر آباد)

حادثہ سے بڑا سانحہ یہ ہوا  
لوگ ٹھہرے نہیں حادثہ دیکھ کر  
(التمش مسعود - بڑھنگ)

اے جذبہ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آجائے  
منزل کے لیے دو گام چلو اور سامنے منزل آجائے  
(الطاف یوسف - بھیرہ)

سچائی چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے  
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

روشنی

وحدت الوجود سے قصص القرآن ہوا  
ظہور عقل میں شعور ایمان سے دست بدست ہوجا  
(امداد احمد - گلگت)

ندہ عشق میں رہیں گرمیں مندہ حسن میں رہیں شوخیاں  
ندہ غزنوی میں تڑپ رہی، مندہ خم ہے زلف ایاز میں  
جو میں سر سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا  
ترادل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں  
(اقرار حسن - بھمبر)

## روزانہ صرف 30 منٹ کی واک

تیز رفتار اور مصروف ترین زندگی میں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ ورزش کرے اور یہی وہ کمی ہے جو لوگوں میں موٹاپے، شوگر اور دل کی خرابی جیسی خطرناک بیماریوں کا باعث بن رہی ہے اسی لیے ایک نئی تحقیق میں کہا گیا ہے کہ روزانہ 30 منٹ مناسب رفتار سے پیدل چلنا نہ صرف موٹاپے سے نجات کا باعث بنتا ہے بلکہ شوگر جیسی بیماریوں سے نجات دلاتا ہے۔ روزانہ 20 منٹ کی واک انسانی کی زندگی کو 30 فیصد بڑھا دیتی ہے جب کہ روزانہ 30 منٹ واک سے دن بھر میں 150 کلوریز جلتی ہیں جو وزن میں کمی میں مدد دیتی ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ رنگ واک سے بہتر ہے لیکن ایک نئی تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ایک رز بھٹنا فاصلہ دوڑ کر کرتا ہے اگر اتنا ہی فیصلہ واک کر کے طے کیا جائے تو یہ ہائی بلڈ پریشر، ہائی کولیسٹرول اور خطرناک دل کی بیماریوں کو کم کرنے میں بہت مفید ہے اور واک انسان کو چاق و چوبند بھی رکھتی ہے۔ ماہرین طب کا کہنا ہے کہ جسم کو حرکت دینے سے انسانی جسم سے اچھا محسوس کرنے والے کیمیکل "اینڈورفنز" خارج ہوتے ہیں جو دماغ میں ڈپریشن پیدا کرنے والے درد کے ریسپنڈر کو کمزور کر کے آپ کے موڈ کو خوشگوار بنا دیتا ہے۔ روزانہ 35 منٹ یا ہفتے میں 3 دن 60 منٹ کی واک ہلکی اور زیادہ ڈپریشن کی علامات کو قابو کرنے میں انتہائی مفید ہے۔

روشنی



## شیشہ کس نے توڑا؟

اعظم طارق کو ہستانی

پڑے۔

دل ہی دل میں آج ہم سب اشرف صاحب کو خوب کوس رہے تھے کہ انہیں یہی جگہ ملی تھی گاڑی کھڑی کرنے کے لیے۔۔۔ اسی پریشانی کے عالم میں مجھ سے صحیح کھیلا بھی نہ گیا۔ ظہر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ بیچ کو وہیں روک کر ہم نے اپنے قدم مسجد کی طرف بڑھا دیے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد ہم واپس گھر کی جانب چل دیے۔ ابھی ہم گلی کے کنارے پہنچنے والے تھے کہ ہمیں کچھ ”شور“ سا محسوس ہوا۔

”خدا خیر کرے۔“ میں بڑبڑایا۔ گلی میں پہنچتے ہی میں ٹھٹھک کر رک گیا۔ میرے

”یہ لگا چھکا۔“ میں نے نعرہ لگایا۔

گیند ہوا کے دوش پر اڑتی ہوئی ہماری بنائی ہوئی مخصوص باؤنڈری لائن پار کر گئی۔ آج کرکٹ کھیلتے ہوئے ہمیں خصوصی طور پر خیال رکھنا پڑ رہا تھا۔ اشرف صاحب کی گاڑی آج سڑک کے کنارے پر ہی پارک ہوئی تھی۔ مجھے کھیلنے کے معاملے میں خود پر تو اعتماد تھا مگر طاہر کے اناڑی پن سے ہمیشہ کی طرح ڈر رہا تھا لیکن آج یہ ڈر کچھ زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ طاہر پہلے بھی اُلٹی سیدھی شارٹ مار کر گیندیں گماچکا تھا، اب بھی میں ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ کوئی ایسا شارٹ نہ مار دے جس کی وجہ سے ہمیں کوئی مشکل اٹھانی

دوسرے ساتھی جو کہ میرے ساتھ کرکٹ کھیل رہے تھے اب اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔

”یہ ان ہی شیطانوں کا کام ہے۔ کوئی اور جگہ نہیں ملی ہے انہیں کرکٹ کھیلنے کے لیے۔۔۔ کچھ بھی ہو جائے، یہاں گلی میں ہی

آکر کھیلیں گے۔“ اشرف صاحب ہاتھ نچا نچا کر روایتی اور نا کام سیاست دانوں کی طرح مجمع سے مخاطب تھے۔ میں گلی کے کونے میں ہی کھڑا ہو گیا۔ اچانک طاہر بھی پیچھے سے آکر فیک پڑا۔

اشرف صاحب کے تیور دیکھ کر پہلے تو اس نے حیرت کا اظہار کیا ”یار ہوا کیا ہے؟ اور یہ اشرف صاحب گلا کیوں پھاڑ رہے ہیں؟ لیکن۔۔۔ تمہیں کیا ہوا؟“ طاہر نے جب مجھے جھنجھوڑا تو گویا میں ہوش میں آ گیا۔

”ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ نہیں۔۔۔“ میں گڑبڑا کر بولا:

”یہ کیا ہاں ہاں۔۔۔ نہیں لگا رکھی ہے۔“ وہ اشرف صاحب کی گاڑی کے شیشے کو دیکھو۔“ میں نے کہا۔

”کیا ہوا شیشے کو؟۔۔۔ ارے یہ کس نے

کیا؟“ ٹوٹے ہوئے شیشے کو دیکھ کر طاہر کے ہاتھ پیر پھول گئے، جبکہ میرے ہاتھوں کے تو تے پہلے ہی اڑ چکے تھے۔ اب تک کسی کی بھی نظر ہم پر نہیں پڑی تھی اور ویسے بھی ہم ذرا ”اُٹ“ میں تھے۔

”اشرف صاحب تو یقیناً ہم پر ہی شک کریں گے۔۔۔ میں تو نو دو گیارہ ہی ہو جاؤں تو بہتر ہے۔“ اس سے پہلے کہ طاہر یہ کہہ کر بھاگتا، میں نے اس کا کارل مضبوطی سے کسی پہلوان کے مانند پکڑ لیا۔

”طاہر بھاگنے کی کوشش فضول ہے۔۔۔ بغیر سامنا کیے، جان چھڑانا ممکن نہیں، ویسے بھی یہ ہماری شرارت نہیں ہے، پھر ہم کیوں ڈریں؟“ کہنے کو میں نے یہ جملہ کہہ دیا لیکن اس وقت میرے دل کی کیفیت میرا اللہ ہی جانتا تھا۔

”تم اکیلے چلے جاؤ۔ بڑے بہادر بنتے ہونا تم۔۔۔“ طاہر نے مجھے تمثیلی انداز میں میری بہادری کے قصے یاد دلاتے ہوئے کہا۔ میں کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ اشرف صاحب نے ہماری بھٹک دیکھ لی۔





”ہاں بھئی ہاں۔۔۔ لڑکو! اب چھپ کر دیکھ رہے ہو، باہر آؤ۔“ اشرف صاحب نے ہماری طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ہم نے اسی میں عافیت جانی کہ باہر نکل آئیں۔

”ڈریں ہمارے دشمن۔۔۔ ہم تو ابھی رہے تھے۔“ طاہر نے با آواز بلند کہا تا کہ سب سن لیں۔

”تم لوگ گاڑی کا شیشہ توڑ کر بھاگے ہو، آج تمہاری خیر نہیں ہے۔“ قدوائی صاحب کو تو ویسے بھی ہر معاملے میں بولنے کی عادت تھی۔

”ہیلو انکل! ہم کہیں نہیں بھاگے بلکہ۔۔۔“ طاہر نے نجانے کس خیال کے تحت بات ادھوری چھوڑی۔ ”بلکہ۔۔۔ کیا بلکہ۔۔۔ کیسا بلکہ۔۔۔“ سب ایک آواز میں بولے۔

”نماز کے لیے گئے تھے۔“ میں نے طاہر کا مطلب سمجھتے ہوئے خود ہی بتا دیا۔ طاہر کی یہ عادت کافی اچھی تھی کہ وہ نیکی کے کاموں کا چرچا نہیں کرتا تھا۔

”اب یہ نماز وغیرہ کا بہانہ نہیں چلے گا۔ پورا محلہ گواہ ہے یہاں پر تم لوگ ہی کرکٹ کھیل رہے تھے اور یہ شیشہ بھی گیند سے ٹوٹا ہے۔“ اشرف صاحب تپ کر بولے۔ وہ اس وقت غصے کے مارے ایسے گرم ہوئے تھے کہ اگر ان پر کچا انڈا کھینچ کر مارا جاتا تو وہ فوراً پک کر تیار ہو جاتا۔

”پورے چھ ہزار روپے کا خرچہ۔۔۔ یا تو خرچہ دیا پھر میرا شیشہ لگوا دو، ورنہ۔۔۔“ اشرف صاحب بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوئے تو میں نے بھڑک کر کہا: ”ورنہ کیا کر لیں گے آپ؟ کہہ یہ شیشہ ہم نے نہیں توڑا۔ ہمارے نماز پڑھے جانے کے دوران کسی نے یہ شرارت کی ہے۔“

”کس نے کی ہے؟“ اشرف صاحب نے کہا۔

”ہمیں کیا معلوم۔“ جواب طاہر کا تھا۔

”تم لوگ مجھے ٹوپیاں پہنا بنا بند کرو۔ نقصان بھرتے ہو یا شام کو تمہارے والدین کام سے آئیں گے تو ان کو تمہاری شکایت

لگاؤں۔“ اشرف صاحب طاہر کے جواب سے تھلا گئے تھے۔

شکایت لگانے کی دھمکی پر ہمارا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ ہم دونوں کے ماتھے پر پسینہ آچکا تھا۔ ہمیں ہر حال میں سزا ملنی تھی۔ اشرف صاحب کے ساتھ پورا محلہ تھا جب کہ ہماری آواز نقار خانے میں توتی کی آواز ثابت ہو رہی تھی۔



اب پورا محلہ ہمیں لعنت ملا مت کر رہا تھا۔ میرے تو طاہر سے بھی زیادہ پسینے چھوٹ رہے تھے۔ اچانک نجانے طاہر کس خیال کے تحت سامنے والی عمارت میں گھس گیا۔ اس عمارت میں پچاس کے قریب فلیٹ تھے۔ لوگ سمجھتے شاید وہ پیسے لینے گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد اس کی واپسی ہوئی۔ لوگوں کی نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں۔

”ادھر آؤ۔“ طاہر نے اشارے سے مجھے بلایا۔

”کیا ہوا؟“

”پتا چل گیا ہے کہ شیشہ کس نے توڑا ہے۔“ طاہر مسکراتے ہوئے بولا۔

”کس نے۔۔۔؟“ میں نے بے تابی سے پوچھا۔۔۔ ”اور تمہیں کیسے پتا چلا؟“

”تمہیں پتا ہے، رحیم بابا ہر وقت چھت پر ہوتے ہیں اور نظریں ان کی گلی میں۔ میں نے جب انہیں مسئلہ بتایا اور پوچھا کہ ۵۳:۱ یا اس سے آگے پیچھے گلی میں کوئی آیا تھا؟ تو اس نے بتایا کہ ایک لڑکا اس گلی میں منڈلا رہا تھا جس نے لال رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔“

میں نے اپنا ہاتھ زور سے ماتھے پر مارتے ہوئے کہا: ”بدھو آدمی اس سے ہمیں کیا پتا چلے گا کہ مجرم کون ہے؟“

”پوری بات تو سنو۔۔۔! اس نے چشمہ بھی پہنا ہوا تھا اور چشمے میں ایک باریک سی زنجیر بھی لگی ہوئی تھی جو کہ چشمے کو نیچے گرنے سے روکتی ہے۔“

”اوہ۔۔۔“ میں حیرت سے چلا اٹھا۔

”ہاں چور وہی ہے جو تم سوچ رہے ہو۔“

یہ حرکت ”عامر“ کی ہی ہے۔ اس طرح کا چشمہ





اس محلے میں ہی نہیں بلکہ پورے ظفر ٹاؤن میں وہی پہنتا ہے۔“

”اور اسے ہمارے ساتھ خدا واسطے کا بیر ہے، وہ ہمیشہ ہمیں پھسانے کی ترکیبیں کرتا رہتا ہے۔“ میں نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

میں محلے والوں کی طرف مڑا جو ہمیں یوں کھسر پھسر کرتے دیکھ کر شدید بے چینی محسوس کر رہے تھے۔

”مجرم کا پتا چل گیا ہے۔ میرے ساتھ چلے آؤ۔“ میں نے جیز بونڈ بننے کی کوشش کی۔

میرے بلند آواز سے اس اعلان پر وہ سب ہماری طرف ٹوٹ پڑے۔

”کون ہے؟“

”کہاں ہے؟“

”یہ ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔“

”ان کی باتوں میں نہ آنا۔“

”یہ بھاگنے کے چکر میں ہیں“

اس قسم کی فضول آوازیں پر ہم نے قطعاً کان نہ دھرے اور یہ کہہ کر عامر کے گھر کی جانب قدم بڑھا دیے کہ جس کو اپنے نقصان کی

فکر ہے وہ چلا آئے، بعد میں ہم ذمہ دار نہ ہوں گے۔“ ہمیں امید تھی کہ اور کوئی آئے نہ آئے اشرف صاحب ضرور آئیں گے۔

مگر ان کے ساتھ مزید دس بارہ افراد بھی تھے۔ جو کہ بھینا ہمارے خیر خواہ ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔ مجرم کا معلوم ہونے پر میرے تو پیر ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ ”آج تو اس عامر کے بچے سے سارے اگلے پچھلے بدلے چکا کر رہوں گا۔“ میں نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے سوچا۔

عامر کی گلی اچھکی تھی۔ اس سے پہلے کہ ہم اس کے گھر کے پاس پہنچتے طاہر رک گیا۔ جس کی وجہ سے پیچھے آنے والا قافلہ بھی رک گیا تھا۔

”کیا ہوا؟ رک کیوں گئے؟“ میں نے طاہر کے کان میں سرگوشی کی۔

”نہیں میں ایسا نہیں کروں گا۔“ طاہر نے ایسے کہا جیسے وہ پٹا ناز ہوا ہو۔

”اب آگے بھی بڑھو۔“ قدوائی صاحب طنز یہ انداز سے بولے۔

”مجھے معلوم تھا یہ سب ٹوپی ڈراما ہے۔“ منیر صاحب نے لقمہ دینا ضروری سمجھا۔ جب

کہ میں طاہر کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”انکل! گاڑی کا شیشہ میں نے توڑا ہے۔ اس کا جرمانہ ادا کرنے کے لیے میں تیار ہوں۔“ طاہر نے کہا تو میری حسرت سے چیخ نکل گئی۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟“

”مجھے پہلے ہی شک تھا یہ سب ڈرامے بازی ہو رہی ہے۔ شیشہ تم میں سے ہی کسی نے توڑا ہے اور اب اس شک کو تم نے دس لوگوں کے سامنے یقین میں بدل دیا۔“

اشرف صاحب نجانے اور کیا کیا کہہ رہے تھے مگر وہ پیسے جو کہ طاہر نے سائیکل خریدنے کے لیے جمع کر رکھے تھے، گھر سے لا کر اشرف صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

☆

دودن تک میں بالکل بھی طاہر سے نہ بولا۔ مگر جب تیسرے دن وہ مجھے منانے آیا تو مجبوراً مجھے اس سے ہاتھ ملانا ہی پڑا، کیوں کہ

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ ناراض ہونے سے منع فرمایا ہے۔ ”میں تمہاری جانب ہاتھ بڑھاؤں گا مگر ایک شرط پر کہ تم مجھے بتاؤ کہ تم نے یہ الزام اپنے سر کیوں لیا؟ حالانکہ تم بے قصور تھے۔“

اسکول کے ہاف ٹائم میں ہماری یہ ملاقات ہو رہی تھی اور عامر بھی ہماری ہی کلاس میں پڑھتا تھا۔ گزشتہ دو دن سے وہ بھی ہماری اس ناراضگی پر بہت کھلا کھلا تھا۔ ہمیں یوں ناراض دیکھ کر وہ سچ بچ بچیں بجا رہا تھا۔

میری بات سن کر طاہر نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا: ”مجھے معلوم تھا اس کے علاوہ تم میری جان بخشی نہیں کرو گے لیکن تم بھی یہ بات کسی کو نہیں بتاؤ گے حتیٰ کہ عامر کو بھی۔۔۔ اب تم بھی وعدہ کرو۔“ مجبوراً مجھے وعدہ کرنا پڑا۔

”تمہیں تو معلوم ہے عامر کے والد کتنے سخت مزاج ہیں، انہیں اگر عامر کی اس حرکت کا پتا چلتا تو وہ اس کی ہڈی پسلی ایک کر دیتے۔ دوسری بات اچانک اُس وقت میرے ذہن میں یہ آئی کہ عامر کے والد ایک مزدور ہیں، وہ چھ



## بُری باتوں کے کچھڑ میں



جاوید چودھری



افلاطون اپنے استاد سقراط کے پاس آیا اور کہنے لگا ”آپ کا نوکر بازار میں کھڑے ہو کر آپ کے بارے میں ہرزہ سرائی کر رہا تھا۔“ سقراط نے مسکرا کر پوچھا ”وہ کیا کہہ رہا تھا۔“ افلاطون نے جذباتی لہجے میں جواب دیا ”آپ کے بارے میں کہہ رہا تھا۔۔۔“ سقراط نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کروایا اور کہا ”تم یہ بات سنانے سے پہلے اسے تین کی سوٹی پر رکھو، اس کا تجزیہ کرو اور اس کے بعد فیصلہ کرو کیا تمہیں یہ بات مجھے بتانی چاہیے۔“ افلاطون نے عرض کیا ”یا استاد تین کی سوٹی کیا ہے؟“ سقراط بولا ”کیا تمہیں یقین ہے تم مجھے یہ بات بتانے لگے ہو یہ بات سو فیصد سچ ہے۔“ افلاطون نے فوراً انکار میں سر ہلادیا، سقراط نے ہنس کر کہا ”پھر یہ بات بتانے کا تمہیں اور مجھے کیا فائدہ ہوگا؟“ افلاطون خاموشی سے سقراط کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا، سقراط نے کہا ”یہ پہلی سوٹی تھی، ہم اب دوسری سوٹی کی طرف آتے ہیں۔“ مجھے تم جو بات بتانے لگے ہو کیا یہ اچھی بات ہے۔“ افلاطون نے انکار میں

تمہیں یہ بات مجھے بتانی چاہیے۔“ افلاطون

سر ہلا کر جواب دیا۔ جی! نہیں یہ بُری بات ہے۔“ سقراط نے مسکرا کر کہا ”کیا تم یہ سمجھتے ہو تمہیں اپنے استاد کو بُری بات بتانی چاہیے۔“ افلاطون نے پھر انکار میں سر ہلادیا، سقراط بولا ”گویا یہ بات دوسری سوٹی پر بھی پوری نہیں اترتی۔“ افلاطون خاموش رہا، سقراط نے ذرا سا رک کر کہا ”اور آخری سوٹی، یہ بتاؤ وہ بات جو تم مجھے بتانے لگے ہو کیا یہ میرے لیے فائدہ مند ہے۔“ افلاطون نے انکار میں سر ہلادیا اور عرض کیا ”یا استاد! یہ بات ہرگز ہرگز آپ کے لیے فائدہ مند نہیں۔“ سقراط نے ہنس کر کہا ”اگر یہ بات میرے لیے فائدہ مند نہیں، تو پھر اس کے بتانے کی کیا ضرورت ہے؟“ افلاطون پریشان ہو کر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

سقراط نے گفتگو کے یہ تین اصول آج سے چوبیس سو سال قبل وضع کر دیے تھے، سقراط کے تمام شاگرد اس پر عمل کرتے تھے۔ وہ گفتگو سے قبل بات کو تین سوٹیوں پر پرکھتے تھے، کیا یہ بات سو فیصد درست ہے، کیا یہ بات اچھی ہے اور کیا یہ بات سننے والے کے لیے مفید ہے، اگر

وہ بات تینوں سوٹیوں پر پوری اترتی تھی، تو وہ بے دھڑک بات کر دیتے تھے اور اگر وہ کسی سوٹی پر پوری نہ اترتی یا پھر اس میں کوئی ایک عنصر کم ہوتا، تو وہ خاموش ہو جاتے تھے۔

میں نے مغرب میں زیادہ تر لوگوں کو اس اصول پر کاربند دیکھا۔ نیورن اٹلی کا ایک خوبصورت شہر ہے، یہ شہر سوئٹزر لینڈ کی سرحد پر واقع ہے اور یہ اپنی اچھی ہمسائیگی کی وجہ سے بہت خوبصورت، پُر امن اور صحت افزا مقام ہے۔ یہ دو ہزار سال پرانا شہر ہے۔ اس کے درمیان سے دریائے پوگزرتا ہے، یہ دریا شہر کے حسن میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ نیورن انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کا ٹریننگ سینٹر ہے۔ مجھے 2009ء میں اس سینٹر میں انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن میں چھوٹا سا کورس کرنے کا موقع ملا۔ میں نے وہاں سے کچھ اور سیکھایا نہیں سیکھا یہ الگ بات ہے لیکن مجھے سقراط کا یہ فارمولا سیکھنے کا موقع ضرور ملا۔ ہمارے تمام اساتذہ اطالوی تھے، کورس کی انچارج درمیانی عمر کی خاتون تھی۔ کورس کو آرڈی نیٹر میں بائیس سال



کی نو جوان لڑکی تھی اور مرکزی استاد ہماری عمر کا جوان فلپ تھا۔ یہ بے انتہا مستعد اور ماہر لوگ تھے۔ میرے گروپ میں آٹھ لوگ تھے، ان میں مصر کی درمیانی عمر کی ایک خاتون بھی شامل تھی۔ یہ خاتون لا ابالی، غیر ذمے دار بلکہ تھوڑی سی بدتمیز بھی تھی۔ یہ عموماً گروپ کو چھوڑ کر کیفے پیریا چلی جاتی یا پھر سینفر کے پب میں بیٹھ جاتی تھی۔ ایک دن فلپ نے مجھ سے پوچھا ”آپ کا گروپ کیسا چل رہا ہے؟“ میں نے پاکستانی روایات کے مطابق گروپ کے لوگوں کی غیبت شروع کر دی۔ میرا سب سے بڑا ہدف مصری خاتون تھی۔ فلپ خاموشی سے سنتا رہا۔ میں بچ بول بول کر تھک گیا، تو اس نے مجھے بتایا ہمارے سینفر میں وائی فائی کی سہولت بھی موجود ہے اگر آپ کو اس کا پاس ورڈ درکار ہو تو آپ مہربانی کر کے ریسپشن سے لے لیں اور وہ اس کے ساتھ ہی وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ مجھے اس کا رویہ بہت برا لگا، مجھے محسوس ہوا اس نے مجھے ریسپانس نہ دے کر میری توہین کی ہے۔ میں بے عزتی کے احساس میں جلنے لگا لیکن پھر مجھے

اچانک محسوس ہوا فلپ سقراط کے تین اصولوں کا وارث ہے۔ اس نے دیکھا میری بات کی سچائی مشکوک ہے، یہ بات بُری ہے اور اس بات کا اسے کوئی فائدہ نہیں چنانچہ اس نے اس میں کسی قسم کا انٹرسٹ ظاہر نہیں کیا۔ ہاں البتہ وہ مروت یا اخلاقیات کی وجہ سے میری بات سنتا رہا۔ میں نے جرمنی میں ایک بار ایک جرمن صحافی کو ہٹلر کے لطائف سنانا شروع کر دیے۔ میں جوں جوں لطائف سنانا گیا وہ ہنسنے یا قہقہہ لگانے کے بجائے سنجیدہ ہوتا گیا۔ میں شرمندہ ہو گیا اور اس سے پوچھا ”تم میرے لطائف سے لطف اندوز نہیں ہو رہے؟“ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا، یہ جھوٹے لطائف ہیں، ہٹلر ایسا نہیں تھا۔ دوسرا ہٹلر کی باتیں دنیا کے بے شمار لوگوں کو تکلیف دیتی ہیں، میں انھیں اچھا نہیں سمجھتا اور تیسرا یہ فضول اور بے معنی چیزیں ہیں، ہم ان سے زیادہ اچھی گفتگو کر سکتے ہیں۔ چلو آؤ موسم کی بات کرتے ہیں۔ جرمنی میں اس سال سردیاں بہت دیر سے آرہی ہیں۔ میری شرمندگی میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے ایک بار امریکا میں ایک

جاپانی سے ناگاساکی کے ایٹمی سانحے کے بارے میں پوچھا، اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور سنجیدگی سے بولا۔ ہم جاپانی 1945ء کے واقعے کو بُرا خواب سمجھتے ہیں چنانچہ ہم اس کا عموماً ذکر نہیں کرتے۔ آپ مجھ سے اچھی باتیں پوچھو۔ آج کل ٹوکیو میں چیری بلاسم کا سیزن ہے۔ ہمارے شہر میں چیری کے پھول کھلے ہوئے ہیں اور میں ان پھولوں پر جان دیتا ہوں۔ میں نے اس سے کہا ”تم اس ذکر سے خائف ہو؟“ اس نے فوراً جواب دیا ”نہیں! ہم بہادر قوم ہیں، ہم نے دو دوائی بم سبے ہیں۔ آپ پوری دنیا میں جاپان کے بعد کوئی دوسرا ملک بتاؤ جس نے ایٹم بم کی تباہی کا سامنا کیا ہو مگر ہم اس کے باوجود صرف پندرہ برسوں میں اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے تھے لیکن ہم جاپانی سمجھتے ہیں ہمیں لوگوں کو اپنے دکھ سنا کر ان کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں بے فائدہ باتوں میں بھی اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔“ میں نے اس سے پوچھا ”کیا تم امریکا کو اس کا ذمہ دار نہیں سمجھتے، کیا جاپانی امریکا سے نفرت

نہیں کرتے؟“ اس نے ہنس کر جواب دیا ”میرے بھائی ہماری نفرت دوسری جنگ عظیم کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی۔ ہم اگر اس نفرت کو ”کیری“ کرتے تو آج بھی ناگاساکی اور ہیروشیما کے بلے پر بیٹھ کر گریہ و زاری کر رہے ہوتے۔ انسان کو محبت ہی سے فرصت نہیں ملتی کہ یہ نفرت بھی شروع کر دے، ہم بے فائدہ یا فضول چیزوں میں نہیں الجھتے۔“ میری شرمندگی بڑھ گئی۔

یہ میری زندگی کے چند واقعات ہیں جبکہ میں نے درجنوں مرتبہ یورپ، امریکا اور شرق بعید کے لوگوں کو سقراط کے تینوں اصولوں پر عمل کرتے دیکھا ہے۔ یہ غیبت، چغل خوری اور منفی باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہیں جبکہ ہم میں یہ تینوں بُری عادتیں موجود ہیں۔ ہم ہر بات کو تبلیغ سمجھ کر پھیلاتے ہیں اور ہرگز ہرگز یہ نہیں سوچتے کیا یہ بات سچ بھی ہے، ہم یہ بھی نہیں دیکھتے یہ بات اچھی ہے اور ہم یہ بھی اندازہ نہیں کرتے کہ ہمیں یا سننے والے کو اس کا کوئی فائدہ پہنچ رہا ہے؟ ہم بات کو کسوٹی کے تین اصولوں پر پرکھ



مسکراہٹیں

مسکرائیے..... مسکرائنے سے چہرے کی رونق بڑھتی ہے

بہ اتفاق مبارک ہو

(سہیل علی۔ میرپور)

ایک دفعہ جون ایلیا نے اپنے بارے میں لکھا کہ:  
”میں ناکام شاعر ہوں۔“

اس پر مشفق خواجہ نے انہیں مشورہ دیا:

”جون صاحب! اس قسم کے معاملات میں

احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ یہاں اہل نظر آپ

کی دس باتوں سے اختلاف کرنے کے باوجود،

ایک آدھی بات سے اتفاق بھی کر سکتے ہیں۔“

بس اتنا ہی

(احسن سعید۔ بحیرہ)

ایک آدمی کسی گاؤں میں آیا اور گاؤں والوں



مشورہ

(اجمل اصغر۔ کوٹلی)

ایک مقدمے میں گواہوں کے بیانات سننے کے  
بعد جج نے ملزم کے وکیل سے کہا کہ کیس  
تمہارے موکل کے خلاف جارہا ہے تم چاہو تو  
ملزم کو مزید کارروائی سے قبل اس کو الگ لے جا کر  
مناسب مشورہ دے دو۔

یہ سن کر وکیل ملزم کو الگ لے کر چلا گیا، تھوڑی  
دیر بعد وکیل اکیلے واپس آیا تو جج نے دریافت  
کیا کہ ملزم کہاں ہے۔

وکیل نے جواب دیا: ”وہ تو بھاگ گیا میرا اے

یہی مشورہ تھا۔“



ضروری اعلان

آپ اپنی تمام تحریریں ہر ماہ کی  
دس تاریخ تک ہمیں بھیج دیا کریں۔

بذریعہ ڈاک  
بھیجنے کا پتہ

ماہنامہ روشنی

پوسٹ بکس نمبر 692،

GPO صدر راولپنڈی

اس کے علاوہ

آپ ہمیں Email بھی کر سکتے ہیں:

monthlyroshniajk@gmail.com

مختصر سلسلوں میں بذریعہ SMS شرکت

کرنے کے لیے اس نمبر پر SMS کریں

0347-5383153

بغیر اسے پھیلاتے چلے جاتے ہیں اور ایک لمحے  
کے لیے نہیں سوچتے ہماری اس حرکت سے کتنے  
لوگوں کو تکلیف پہنچ رہی ہوگی۔ آپ کو یقین نہ  
آئے، تو آپ آج کے ایس ایم ایس دیکھ لیجیے۔

آپ کو ہر دوسرا ایس ایم ایس جھوٹا، بُرا اور اور  
بے فائدہ ملے گا۔ آپ کبھی اپنی گفتگو ریکارڈ  
کر کے سن لیں، آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں  
گے آپ کی زیادہ تر باتیں سنی سنائی، بُری اور بے  
فائدہ ہیں۔ ان باتوں سے سننے والے کو کوئی

فائدہ نہیں ہوتا، البتہ ان سے اس کی پریشانی میں

اضافہ ہوتا ہے اور یہ باتیں خلاف حقیقت اور

غلط بھی ہیں۔ ہمارے اس رویے نے پورے

معاشرے کو بیمار کر رکھا ہے، ہم اگر بات کرتے

ہوئے اس بات کو سقراط کے تین اصولوں پر پرکھ

لیں، تو ہمارے معاشرے کی اینگوائٹی

میں 50 فیصد کمی آسکتی ہے اور ہمارے ارد گرد

موجود لوگ بھی سکھی رہ سکتے ہیں۔ ورنہ دوسری

صورت میں ہم بُری باتوں کے کیچڑ میں دفن

ہو جائیں گے اور بُری خبروں کے چنگل میں بُری

خبر بن کر رہ جائیں گے۔

روشنی





بچے نے کہا: ”میرے دادا جی 105 سال جئے تھے۔“

آدی: ”چاکلیٹ کھاتے تھے کیا وہ؟“  
بچہ: ”نہیں جی، وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔“

مگر وہ بچ گیا

(اعتصام اشرف - پلندری)

ایک سردار ٹرین چلا رہا تھا کہ اچانک ٹرین زبردست جھٹکے کھانے لگی۔

لوگ ڈر کے مارے چیخنے لگے اور سردار سے پوچھنے لگے کہ کیا ہوا۔

سردار نے کہا کہ پٹری پر آدمی تھا۔

لوگوں نے کہا کہ ایک آدمی کو بچانے کے لئے تم

ہم سب کو مارنا چاہتے تھے سیدھا ٹرین اس پہ

چڑھا دیتے!

سردار نے جواب دیا کہ میں اس کو مارنے والا

لیکن وہ پٹری سے اتر کر کھیتوں میں دوڑ

لگا۔

میں نے بھی ٹرین کھیتوں میں اس کے پیچھے

دوڑائی مگر وہ بچ گیا۔

بے ہوش ٹماٹر

(میسونہ اختر - مری)

ایک آدمی سبزی منڈی گیا۔ تو سبزی والا سبزی پر پانی چھڑک رہا تھا۔

جب بہت دیر ہوئی تو آدمی نے کہا: ”جب یہ

ٹماٹر ہوش میں آجائے تو 2 کلو تول دیتا۔“

پھر اس کے بعد

(طیب شاہ - راولا کوٹ)

ایک دوست نے دوسرے سے کہا دیکھو پریشان

ہونے کی ضرورت نہیں۔ مشکلیں تو ہر شخص پر

آتی ہیں بس ایک ہی سال کی بات ہے پھر تمام

پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

پریشان دوست نے پوچھا وہ کیسے

دوسرے دوست نے تسلی دیتے ہوئے بڑے

اطمینان سے کہا: ”پھر اس کے بعد تمہیں عادت

پڑ جائے گی۔“

آمنے سامنے

(اطہر شریف - مظفر آباد)

ڈاکیر: ”ایک محلے میں ایک لڑکے سے پوچھتا

کہ یہ فلاں شخص خالد کا گھر کہاں ہے۔“

لڑکا: ”فیصل کے گھر کے سامنے۔“

ڈاکیر: ”فیصل کا گھر کہاں ہے؟“

لڑکا: ”خالد کے گھر کے سامنے۔“

ڈاکر: ”اچھا تو ان دونوں کا گھر کہاں ہے؟“

لڑکا: ”آمنے سامنے“

آخری کوشش

(اعجاز افضل - گلگت)

ڈاکٹر (مریض سے): ”میں نے جو تمہیں کھا

نے کے لئے کہا تھا وہ تم نے کھایا؟“

مریض: ”کوشش تو بہت کی تھی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔“

”ڈاکٹر نے کہا ”کیا بے وقوفی ہے۔ میں نے کہا

تھا کہ جو چیزیں تمہارا تین سالہ بچہ کھاتا ہے

وہی تم کھاؤ۔ تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔“

مریض نے بے بسی سے جواب دیا: ”ہاں ڈاکٹر

صاحب! لیکن میرا بچہ تو موم بتی، کونسلہ، مٹی اور

جوتے کے فیتے وغیرہ کھاتا ہے۔“





## کان کا دھیان

”کان“ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟  
 ”وہ جگہ جہاں سے کھود کر دھات یا ہیرے جواہرات نکالے جاتے ہیں“ کان“ کہلاتی ہے اور یہ عمل ”کان کنی“ کہلاتا ہے اور یہ عمل انجام دینے والوں کو ”کان کن“ کہا جاتا ہے۔  
 ”غلط بالکل غلط۔“..... ”ارے بھی ہم اس کان کے بارے میں نہیں پوچھ رہے..... یہاں کان سے ہماری مراد وہ کان ہیں جن کے بیچ میں سر ہوتا ہے۔“  
 اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس طرح زبان بولنے اور مختلف چیزوں کا ذائقہ چکھنے کے لئے..... تاک سوگھنے اور سانس لینے کے لئے.... آنکھیں دیکھنے کے لئے عطا کی ہیں اسی طرح کان اچھی اچھی ہدایات و نصیحت کی باتیں سننے کے لئے عطا فرمائے ہیں۔  
 یہ قدرتی آلہ سماعت اُردو اور ہنگہ زبان میں ”کان“ کہلاتا ہے..... عربی میں اسے ”اشعر“..... فارسی اور بلوچی میں ”گوش“

..... سندھی اور پنجابی میں ”کن“..... پشتو زبان میں اسے ”غوژ“ کہتے ہیں جبکہ انگریزی زبان میں اسے ”ایئر“ (Ear) کا نام دیا گیا ہے۔  
 کان کو اگر ”گیٹ وے ٹوبرین“ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ یہی وہ ذریعہ ہے جس کی بدولت آواز کی لہریں سفر کرتی ہوئی دماغ تک جاتی ہیں اور دماغ کا ایک مخصوص نظام ان لہروں کو فوری طور پر لفظوں میں تبدیل کر دیتا ہے یوں سماعت کا احساس پیدا ہوتا ہے اور ہم جان لیتے ہیں کہ کیا سن رہے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے آپ کو پہلے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کان اس لئے عطا فرمائے ہیں وہ انہیں اچھی اچھی باتیں سننے کے لئے استعمال کرے لیکن ان کو کس طرح استعمال کیا اور کرایا جاتا ہے؟ یہ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان میں جہاں غیبت ذخیرہ کی جاتی ہے وہاں حسب توفیق جھوٹ بھی ان میں دل کھول کر بھرا جاتا ہے۔ لڑائی جھگڑے کے دوران بے نقط تفسیریں سننے کی کوفت بھی کانوں کو برداشت کرنا پڑتی ہے..... سچ سنا گوارہ نہیں ہوتا لیکن

جھوٹی شہادت سن کر فوراً غلط فیصلہ سنا دیا جاتا ہے..... لوگوں کے کانوں میں جھوٹے وعدوں کا عرق پکایا جاتا ہے..... شکوک کا زہر بھرا جاتا ہے..... جھوٹے دعوے سادہ لوح کانوں کو زور شور سے سنائے جاتے ہیں..... دماغ تک اشتعال کی آگ بھی کانوں کے ذریعے پہنچائی جاتی ہے..... احتجاج اور لانگ مارچ کا پروگرام بھی لوگوں تک کانوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔

دوسرے انسانی اعضاء کی طرح کان کی بھی وضع و شکل کے لحاظ کئی اقسام ہیں مثلاً بڑے کان والا (ان کے مالک کو ”بڑکن“ بھی کہا جاتا ہے)..... موٹے کان..... مڑے ہوئے کان..... چھوٹے کان (ان کا مالک ”بُچّا“ کہلاتا ہے)..... چپوترے کان..... لیوترے کان..... اُبھرے ہوئے کان..... اونچے کان وغیرہ وغیرہ۔

اب کان سے متعلقہ محاورے بھی ملاحظہ فرمائیے کیونکہ کان بھی آنکھ کی طرح درجن بھر محاورے اپنے کھاتے میں رکھنے کے دعوے دار





ہیں۔ مثلاً کان پکڑنا، کان کھانا، کان بجنا، کان کاٹنا، کان بھرنا، کان کا کچا ہونا، کان پر جوں نہ ریٹگنا، کانوں کا خبر نہ ہونا، کانوں پر ہاتھ رکھنا، کسی بات پر کان نہ دھرنا، کاننا پھوسی کرنا، دیواروں کے کان ہونا وغیرہ وغیرہ۔

ان محاوروں میں ہمیں ”کان پکڑنے“ والا محاورہ سب سے اچھا لگتا ہے (شاید اس لیے کہ ہم نے اسکول کے زمانے میں خوب کان پکڑے تھے اور خود شرارتیں کر کے اپنے ہم جماعتوں کے کان پکڑوائے بھی تھے)۔ ”کان پکڑنا“ ایک مربع قسم کا محاورہ ہے۔ جس کا پہلا رُخ اسکول میں نظر آتا ہے جب ماسٹر جی شیطانی کرنے والوں اور کام چوروں کو کان پکڑواتے ہیں (اپنے نہیں)۔ دوسرا رُخ گھر پر دکھائی دیتا ہے جب گھر کے بڑے ذرا ذرا سی غلطی پر چھوٹوں کے کان مروڑتے ہیں۔ تیسرا رُخ یہ کہ خطا کار خود ہی مشروط طور پر کان پکڑ کر اپنے جرم کا اعتراف کر لیتا ہے اور چوتھا اور آخری رُخ عینک کی صورت میں منظر عام پر آتا ہے۔

جب عینک ضعیف نظر والوں کی ناک پر بیٹھ کر کان پکڑتی ہے۔ ہم کبھی کبھی سوچتے ہیں کہ اگر کان نہ ہوتے تو عینک لگانے والے لوگ کیا کرتے؟..... عینک میں دھاگر لگا کر سر کے گرد باندھ کر کام چلا لیتے.... آپ کا جواب قدرے درست مان لیتے ہیں لیکن صاحب اس طریقے میں وہ مزہ کہاں جو عینک کے کان پکڑ کر رستہ دکھانے میں ہے!!

کچھ لوگ اپنے کام میں یا خیالوں میں اس درجے مگن ہوتے ہیں کہ انہیں کچھ سنائی نہیں دیتا ہے کوئی لاکھ پکارتا رہے ان کے کانوں پر جوں نہیں ریٹگی۔ بالآخر جب دوسرا ”ریک ریگ“ کر چپ ہو جاتا ہے تو موصوف بڑی اعساری سے فرماتے ہیں ”آپ مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے؟“ ایسے لوگ تو پھر بھی قابل برداشت ہیں۔ ان کو کچھ دیر سے سہی یاد تو آ جاتا ہے کہ کوئی ان سے کچھ کہہ رہا تھا لیکن ہمارا معاشرہ ایسے لوگوں سے بھی اُٹا پڑا ہے جن کو کان ہوتے ہوئے بھی کچھ سنائی نہیں دیتا۔ حالانکہ یہ بہرے نہیں ہوتے.... اپنے مطلب کی بات

فوراُسن لیتے ہیں لیکن دوسروں کا مسئلہ انہیں دکھائی اور سنائی ذرا کم ہی دیتا ہے۔ شاہراؤں پر سرشام چرغے اور مرغے اُڑاتے ہیں... ایسے میں کوئی غریب ان کے سامنے رگوں گداتے ہوئے اپنے بھوکے بچوں کے لئے روٹی کا سوال کرے تو یہ فوراً ”بھرے“ کا رُپ دھار لیتے ہیں اور اس کی فریاد کو سُنی اُن سُنی کر دیتے ہیں۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ میں مرنے والے بے گناہ لوگوں کی چیخیں کانوں سے ٹکراتی ہیں.... زنجیوں کی دل ہلا دینے والی کراہیں سنائی دیتی ہے لیکن ان کے کانوں کی ”ذکان“ بند ہی رہتی ہے۔

ان کے علاوہ کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو کانوں کے کچے ہوتے ہیں۔ یہ آنکھوں دیکھی شہادت پر یقین نہیں کرتے لیکن کانوں سُنی بات پر اس شخص کی طرح یقین کر لیتے ہیں جسے کسی نے سوتے ہوئے جگا کر کہا تھا ”تمہارے کان مٹا لے گیا ہے۔“ اور اس نے اپنے کان چیک کیے بغیر، بنا سوچے سمجھے سامنے سے جاتے گئے کے پیچھے دوڑ لگا دی تھی.... کافی دُور جانے کے

بعد اس نے اچانک کانوں کے مقام پر ہاتھ لگایا تو اسے احساس ہوا کہ کان تو اس کے وجود کے ساتھ موجود ہیں اور وہ خواہ مخواہ کُتے کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

آپ بلا خوف و خطر ان لوگوں کو بھی ان لوگوں میں شمار کر سکتے ہیں جو لیڈر قسم کی چیز ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ریڈیو کم سُنتے ہیں (کیونکہ ان کے مطلب کی بات نشر نہیں ہوتی).... ڈش اینٹنا زیادہ ملاحظہ کرتے ہیں۔ پیجار اور کولوریڈو میں ”فوٹو سن“ شیشے بند کر کے سفر کے مزے لیتے ہیں!..... چلتے پھرتے موبائل کی شکل میں ”فوری رابطہ“ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لمبے سفر ہوائی جہازوں میں کرتے ہیں۔ ملکی حالات و واقعات پر گہری نظر رکھنے کے دعویدار ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی دانست میں حالات ”آل نارمل“ ہوتے ہیں اور واقعات ”کنٹرول“ میں ہوتے ہیں۔ غریبوں کا داویلا خواہ وہ کسی جائز مسئلے پر ہی کیوں نہ کیا جا رہا ہو انہیں بالکل سنائی نہیں دیتا۔

جس طرح ہر سال دنیا بھر میں ”نایدناؤں



کا عالمی دن“ منایا جاتا ہے ہماری دلی خواہش ہے کہ اقوام متحدہ اسی طرح ہر سال ”خود ساختہ بہروں کا عالمی دن“ منانے کی خوش آئندہ رسم کا اجراء بھی کر دے تاکہ کان رکھنے والوں کو تائیناؤں کے ساتھ ساتھ بہروں کے عالمی مسائل اور آبادی کا بھی خاطر خواہ اندازہ ہوتا رہے۔

کان کے بارے میں اس وقت ہمارے کانوں میں ایک لطیفہ گونج رہا ہے اگر آپ کی سماعت گوارہ کرے تو پیش کریں۔ (اجازت ہے..... اجازت ہے..... اجازت ہے!) .... شکریہ شکریہ .....! لطیفہ کچھ یوں ہے کہ ایک لیڈرجن کا ایک کان ذرا سے کٹا ہوا تھا ایک جلسے میں زور شور سے تقریر کر رہے تھے۔ دوران تقریر انہوں نے ڈاکس پر مٹکا برساتے ہوئے کہا ”حاضرین!... میں اپنے ملک وقوم کے لئے زندہ تھا.... زندہ ہوں اور زندہ رہوں گا لیکن ایک بات کان کھول کر سن لیجئے کہ اگر میرے ملک.... میری قوم کو میری ضرورت پڑی تو میں ان کی خاطر اپنی جان بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔“

مجمع میں سے ان کے کان کا عیب جاننے والے ایک شوخ شخص نے با آواز بلند ریما رکس پاس کئے ”جناب!.... ہمارے مذہب میں کن کئے ”جانور“ کی قربانی جائز نہیں!!!“

زیر نظر مضمون پڑھ لینے کے بعد اگر آپ کے کان بچتے لگیں تو خدا را ہمارے خلاف کسی کے کان نہ بھریئے گا لیکن آپ کے تو کان ہی نہیں تو پھر بچیں گے کیسے؟... آپ کا کیا خیال ہے ہم اتنی دیر سے یوں ہی جھک مار رہے تھے.... ارے صاحب ہم تو آپ کے کان کھا رہے تھے!! آپ جلدی سے اپنے کان پکڑ کر دیکھیں تو سہی.... آپ کے سر کے ساتھ کان ہیں بھی یا نہیں؟

”کیا کہا.... کان نہیں ہیں؟“  
”ہوں گے بھی کیسے وہ تو ہم نے باتوں ہی باتوں میں کاٹ لئے!“  
”اب کان کٹنے کا وایلا ہرگز نہ کیجئے گا۔“  
”کیوں لیں؟“  
”ارے صاحب!.... آپ نے سنا نہیں کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں!!“



## پیارے بچو!

غنی دہلوی

پاکستان کے جیالے بچو  
دریا بن کر نور کو پھیلاؤ  
اپنے وطن کے پیارے بچو  
سورج بن کر گھر گھر چکو

پکڑے پہنوصاف اور شہرے  
بن کر رہو ٹم دن بھر اُجلے  
نکھرے نکھرے آؤ نظر ٹم  
ایسے چمکو جیسے انجم

اُبھرو گے ٹم سورج بن کر  
جاؤ گے اک دن چاند کے اُوپر  
چمکو بن کے چاند ستارے  
چہرے ہوں پُر نور تمہارے

ٹم ہی ہو تنویر وطن کی  
ٹم ہی ہو تقدیر وطن کی  
اپنی کاوش، اپنی محنت  
اپنے بازو، اپنی طاقت

راہ عمل میں قدم بڑھاؤ  
اپنے وطن کو اور سجاؤ  
منزل منزل بڑھتے جاؤ  
پرست پرست چڑھتے جاؤ

اپنے وطن کے نغمے گاؤ  
علم و عمل کی شمع جلاؤ

☆☆☆





## اسلامی معلومات

- ☆ حضرت نوح علیہ السلام کا مزار کوفہ میں ہے۔
- ☆ حضرت خدیجہ کا مزار حیدر آباد میں ہے۔
- ☆ حضور ﷺ کی لخت جگر خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہراءؑ وہ واحدہستی ہیں جن کی روح عزرائیل نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے نکالی تھی۔
- ☆ جنگ بدر کے سب سے کم سن شہید حضرت عمیر تھے۔
- ☆ دنیا کی سب سے پہلی مسجد، مسجد حرام ہے۔

- ☆ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد ربیع الاول ایک ہجری میں رکھی۔
- ☆ رسول پاک ﷺ نے دُعا کرنے کے عمل کو عبادت کا عمل قرار دیا ہے۔

☆ پہلا حج ذی قعدہ میں ہوا۔

☆ سانحہ کربلا 60 ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔

☆ خانہ کعبہ کو بیت العتیق کہتے ہیں۔

☆ خانہ کعبہ کا نقشہ حضرت جبرائیل نے تیار کیا تھا۔

☆ خانہ کعبہ میں سب سے پہلی اذان فتح مکہ کے موقع پر دی گئی تھی۔

☆ حضور ﷺ نے سب سے پہلے نماز جمعہ بنی سالم میں ادا کی۔

☆ دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کا نام عبدالکعبہ تھا۔

☆☆☆



## 35 سال بعد

جنوری کی سرد ترین رات تھی۔ بارش نے پوری سڑک کو بھگو کر رکھ دیا تھا، مگر وہ ارد گرد سے بے نیاز برساتی میں خود کو چھپائے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ شام سے چھا جوں مینہ برس چکا تھا، مگر اب تک اس کی شدت میں کمی نہیں آئی تھی۔ سڑک پر جا بجا پانی تالاب کی صورت اختیار کر چکا تھا اور جب وہ اپنے بھاری بھر کم جو توں سے پانی کو دھکیل کر آگے بڑھتا تو شڑاپ شڑاپ کی آواز پیدا ہوتی۔ پانی اُس کی برساتی سے پھسل پھسل کر نیچے گر رہا تھا۔ سڑک

سنان پڑی تھی حالانکہ اس وقت رات کے سات بجے تھے مگر اس چھوٹے سے دیہاتی علاقے میں موسم سرما میں کاروبار دن کے تین بجے ہی بند ہو جایا کرتے تھے۔ لوگ عموماً رات کے وقت گھروں سے باہر نہیں نکلا کرتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی ٹارچ تھی، جس کی روشنی سڑک پر بہتے پانی پر پڑتی تو اس کی سطح چمکتی محسوس ہوتی۔ وہ کافی دیر چلنے کے بعد ایک کچے مکان کے پاس رک گیا۔ وہ برسوں بعد یہاں آیا تھا اور ارد گرد کا





نقشہ تقریباً بدل چکا تھا۔ وہ اس دروازے کی کنڈی کھٹکھٹانے سے پہلے ذرا سی دیر کو ہچکچایا، کیا پتہ وہ یہ گھر نہ ہو؟ مگر ایک لمحے کو بھی اس کو خیال نہیں آیا کہ کیا پتہ وہ مکین ہی نہ ہوں۔ پھر اس نے لرزتے ہاتھوں سے زنجیر ہلائی۔ کافی دیر تک اندر سے کسی ہلچل کے آثار محسوس نہ ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد کسی کے لاشی یک کر چلنے کی آہٹ سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔

☆.....

اُس کا نام مسعود تھا، دس بارہ سال کا یہ ننھا منسا بچہ اپنی دادی اور بڑی بہن کے ساتھ اس کچے مگر وسیع و عریض مکان میں رہا کرتا تھا۔ اس کی دادی بہت مہربان تھیں، اس سے اور اس کی بڑی بہن سے بہت محبت کرتی تھیں۔ وہ اکثر اوقات دادی سے پوچھتا کہ اس کے امی ابو کہاں ہیں؟ تو وہ بتاتیں کہ وہ بہت عرصہ پہلے اللہ کے پاس چلے گئے ہیں۔ وہ اکثر بہت حیران ہوا کرتا کہ وہ اپنے بچوں اور اماں کو چھوڑ کر اللہ کے پاس کیوں گئے؟ مگر اس نے یہ حیرت اپنی دادی سے کبھی نہیں کہی۔ وہ روز چند بھیڑیں اور بکریاں لے کر چراہ گاہ کی طرف نکل جاتا اور ان کو

چراتا، جب دوپہر گئے انہیں لے کر لوٹتا تو دادی اپنے ہاتھوں سے مکئی کی روٹی دودھ کے ساتھ کھلاتیں۔ اسے یہ دنیا کا لذیذ ترین کھانا محسوس ہوتا۔

جب وہ برآمدے میں بیٹھا دادی کے ہاتھ سے کھانا مزے لے لے کر کھا رہا ہوتا، اسی وقت ان کے گھر کے پاس سے ہمسایوں کے بچے گلے میں بستہ لڑکائے اسکول سے گھر لوٹتے۔

وہ تقریباً روزانہ ہی دادی سے پوچھتا کہ وہ اسکول کیوں نہیں جاتا؟

اور دادی کا وہی رٹا رہتا جملہ ہوتا ”کیونکہ وہ غریب ہے، اس لیے۔“

اس کو کبھی سمجھ نہیں آئی کہ وہ سجاد اور جواد سے زیادہ غریب ہے تو اس کا گھرانہ کے گھر سے زیادہ بڑا کیوں ہے؟

وہ رات کو بستر میں لیٹا اکثر سوچا کرتا کہ کیا وہ ساری عمر بکریاں چراتا رہے گا؟ آخر وہ بڑا ہو کر کیا کرے گا؟ اسے نہیں پتہ تھا کہ جواد اور سجاد بڑے ہو کر کیا بنیں گے؟ وہ کتابوں سے دور رہنے والا بچہ تھا، جس نے اپنے دیہات سے باہر کچھ نہیں دیکھا تھا چ تو یہ تھا کہ اس کو یہ پتہ

ہی نہیں تھا کہ انسان بکریاں چرانے کے سوا بھی کچھ کر سکتا ہے؟ اس کے علاوہ اس کے ذہن میں تین ہی تصور تھے یا تو انسان اسکول جا تا ہے پڑھنے، یا استاد ہوتا ہے یا کسان۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ سجاد اور جواد اس سے بہتر کام کر رہے ہیں۔

اکثر بکریاں چراتے چراتے اسے خیال آتا کہ کتابیں کیسی ہوتی ہیں؟ وہ کتاب کو کھول کر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ اپنے اسی خیال کو عملی جامع پہنانے کی خواہش لیے ایک روز وہ سجاد اور جواد کے گھر پہنچ گیا۔ وہ صحن میں چارپائی پر بیٹھے پڑھائی میں مصروف تھے۔ جب انہوں نے مسعود کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ناگواری سے ناک بھنویں چڑھائیں۔ وہ دونوں گاؤں کے ان بچوں کو پسند نہیں کرتے تھے جو اسکول جانے کے بجائے مویشی چراتے۔

مسعود ان کے پاس چارپائی پر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد اس نے چپکے سے ایک کتاب اٹھا کر کھولی اور اس کے ملائم صفحے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ وہ پڑھ نہیں سکتا تھا مگر اسے اس کتاب سے بہت محبت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی

بار کتاب کو چھو رہا تھا۔ اس کا دل انجانی خوش سے سرشار ہو گیا، وہ خواہش کرنے لگا کہ یہ لمحے امر ہو جائیں، مگر..... اچانک سجاد کی نظر اس پر پڑی اور اس نے چیختے ہوئے کتاب اس سے چھین لی۔ ”تم گندے لڑکے، تم نے اپنے گندے ہاتھوں سے میری کتاب گندی کر دی۔“

مسعود ہٹکا بٹکا اس کے لال بھوکا ہوتے چہرے کو دیکھتا رہا۔

”تمہیں ہمت کیسے ہوئی؟ تم بکریاں چرانے والے، تمہیں کتاب سے کیا کام؟ تمہیں کتاب کی کیا قدر؟“ اب جواد بھی میدان میں اتر آیا تھا۔

مسعود کو اپنا آپ ذلت کی گہرائیوں میں اترتا محسوس ہوا، اسے پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ وہ کتنا برا لڑکا ہے۔ وہ دونوں بھائی نہ جانے کیا کیا کہتے رہے، اس نے کچھ نہیں سنا۔ اس کے کانوں میں تو بار بار ایک ہی جملے کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ ”تمہیں ہمت کیسے ہوئی؟ تم بکریاں چرانے والے، تمہیں کتاب کی کیا قدر؟“ اور جب یہ بازگشت اس کی برداشت





سے باہر ہو گئی تو وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

سارا دن وہ چراگا ہوں اور ندی نالوں میں بے وجہ گھومتا رہا۔ اسے ہر چیز بیڑ، پھول، ندی نالے، پانی غرض یہ کہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں بھی اپنا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ ”تم گندے لڑکے ہو، تمہیں کتاب سے کیسے محبت ہو سکتی ہے؟“

یہ آوازیں اس کے کانوں میں گونجتی رہیں۔ شام گئے جب وہ گھر واپس لوٹا تو اس نے دادی کے چہرے کی پریشانی پر بھی توجہ نہیں دی۔

”دادی!“ اس نے چولہے کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔  
”جی!“

”کیا میں گندا لڑکا ہوں؟“ دادی کے چولہے میں لکڑیاں ڈالتے ہاتھ ایک لمحے کو رکے۔

”نہیں تم تو بہت اچھے لڑکے ہو“ دادی کے لہجے میں شیرینی تھی۔

”نہیں میں گندا ہوں، بہت زیادہ گندا میں اچھا ہوتا تو اسکول جاتا، میں تو اتنا گندا

ہوں کہ میں کتاب سے بھی محبت نہیں کر سکتا، میرے چھونے سے کتاب گندی ہو جاتی ہے۔“ وہ پہلے تو غصے سے پھٹ پڑا اور پھر دکھ سے رونے لگا۔

دادی اور اس کی بہن اسے سمجھاتی رہیں مگر اس کے دکھ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ ساری رات وہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا رہا کہ اس نے اسے غریب بنایا، برا بنایا، اتنا برا کہ وہ کتاب سے بھی محبت نہیں کر سکتا۔ وہ اتنا گندا ہے کہ کتاب کو چھو بھی نہیں سکتا۔

آدھی رات اس نے گلے شکوؤں میں گزار دی اور باقی آدھی رات اس نے ایک منصوبہ بنانے میں۔ اگلی صبح وہ تھوڑا سا پرسکون تھا۔ دادی نے حسب معمول اسے پیار سے ناشتہ کرایا۔ دادی کے منع کرنے کے باوجود اس نے بکریاں لیں اور چراگاہ کی طرف نکل گیا۔

جب بکریاں چراگاہ میں ادھر ادھر پھیل گئیں تو وہ چپکے سے بھاگ کھڑا ہوا؟ اس کو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے؟ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا؟

اسے بس ایک ہی خیال لیے جا رہا تھا کہ

اسے اس قابل بننا ہے کہ وہ کتاب سے محبت کر سکے، کتاب کو چھو سکے۔

اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ کیسے شہر پہنچا اور قسمت کی مہربانی سے اسے ایک ہوٹل میں کام بھی مل گیا۔ اس دوران اس نے کبھی اپنے مشن کو ادھل نہیں ہونے دیا۔ وہ بہت کم رقم استعمال کرتا تھا اور زیادہ تر بچا کر رکھتا تھا۔ ایک دن اس نے ڈرتے ڈرتے اپنے ہوٹل کے مالک سے اپنی خواہش کا اظہار کر ہی دیا اور ساتھ ہی اپنی جمع پونجی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ مالک کچھ لمحے تو اسے حیرت سے دیکھتا رہا پھر اسے سینے سے لگا لیا۔ یوں وہ دن کو اسکول جاتا، شام کو کام کرتا اور رات کتابوں کے ساتھ گزارتا۔

کتابوں کو چھونا، ان کو محسوس کرنا اس کے لیے ایک خوش گوار تجربہ تھا۔ سب سے زیادہ خوش اسے یہ احساس دیتا کہ اب کوئی اس سے کتاب چھینے گا نہیں۔ وہ اکثر اوقات اپنی دادی اور بہن کے بارے میں سوچتا۔

اسے احساس تھا کہ وہ پریشان ہوں گی مگر یہ سوچ اسے مطمئن کر دیتی کہ جب کچھ عرصہ بعد وہ ان سے ملے گا تو وہ یہ دیکھ کر کتنی خوش ہوں گی

کہ اب وہ گندا لڑکا نہیں، اب وہ کتاب پڑھنے اور چھونے کے قابل ہے۔

ماہ سالوں میں ڈھلے اور اور سال عشروں میں۔ ایک کے بعد دوسرا دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اس نے نہ تو کبھی محنت سے جی چرایا اور نہ ہی کبھی اپنے مقصد کو چھوڑا۔

اس نے نادار بچوں کے لیے اسکول کھولے۔ لائبریریاں بنوائیں، ان میں کتابیں بانٹیں۔ وہ جہاں بھی جاتا بچوں کو کتابوں سے محبت پراکساتا۔

آج 35 سال 5 ماہ اور 22 دن بعد ڈاکٹر مسعود احمد ایک فاتح کی حیثیت سے اپنے آبائی گھر کی دہلیز پر کھڑا تھا۔

☆.....

دروازہ کھلا تو اس کی مدہم روشنی میں اپنے سامنے ایک عورت کو کھڑا پایا۔ اگرچہ روشنی بہت کم تھی، مگر اس میں بھی وہ دیکھ سکتا تھا کہ عورت کوئی اجنبی ہے۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ وہ غلط جگہ آ گیا ہے، مگر یہ راستے تو اسے ازبر تھے، کیونکہ اس نے اپنی زندگی کے دس سال یہاں گزارے تھے۔





احسان بن مجید

## میں بزدل نہیں

اس نے سوچا، گاڑی سے باہر آتے ہی وہ مشتعل ہجوم کے حصار میں ہوگا۔ وہ لوگ یہ نہیں دیکھیں گے گاڑی کا کتنا نقصان ہوا ہے بلکہ مغلظات بکتے ہوئے اس پر کموں، گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دیں گے۔ اس تواضع کے بعد پھر گاڑی کی خبر لیں گے۔ زخمی وہیں پڑا رہے گا اور وہ سب ایک ایک کر کے کھسک جائیں گے۔

وہ ایک کاروباری تھا اور کاروبار میں مندے کا قائل، لیکن غفلت اس کے نزدیک گھٹیا

زندگی سائیکل کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز ہے، اس نے یہ سوچ کر گاڑی کے بریک پیڈل سے پاؤں ہٹایا اور کار کی رفتار بڑھادی۔ آئینے میں اسے سائیکل سوار گاڑی کی ٹھوکر سے قلابازیاں کھاتا نظر آیا، اس کی پیشانی سے بہتا خون اور تباہ شدہ سائیکل بھی۔

ہر چند وہ رک کر زخمی کو اٹھانا چاہتا تھا۔ اسے اسپتال پہنچانے کی ذمہ داری اپنے سر لیتا، اسے نیا سائیکل بھی لے کر دے دیتا لیکن

مسعود بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

”ہاں انہوں نے مجھے ایک ذمہ داری سونپی تھی، ابہن نے بتایا۔

مسعود اب بھی کچھ نہ بولا۔

”ان کا ایک تحفہ تم تک پہنچانا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ تم جب بھی لوٹو تم تک پہنچا دوں۔“

بہن کمرے میں رکھے ایک طرف چوہی صندوق کی طرف گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اس میں سے کچھ نکال رہی ہیں۔

”یہ.....“ بہن نے مسعود کو ایک تھیلا

تھمایا۔ مسعود نے لرزتے ہاتھوں سے اسے پکڑا۔ وہ کھدرا کا بستر نہا تھیلا تھا جسے ہاتھ سے سیا گیا تھا۔ وقت نے اس کے سفید رنگ کو بد نما کر دیا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے کھول کر دیکھتے ہی اس کی پلکوں پر آنکے ہوئے آنسو بے اختیار اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔

اس بسترے میں ایک بوسیدہ قاعدہ تھا جسے 35 سال کی گرد گہنا چلی تھی۔

☆☆☆

”کون؟“ عورت کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

کچھ لمحوں کے لیے تو اسے سمجھ ہی نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔ اپنا تعارف کیسے کرائے مگر پھر غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے اپنا نام نکلا۔

”مسعود.....“

عورت کچھ دیر تک تو سکتے کے عالم میں کھڑی رہی پھر بے یقینی سے تصدیق چاہنے والے لہجے میں پوچھا:

”مسعود..... میرا بھائی مسعود.....“

اور وہ پہچان گیا..... وہ اس کی بہن تھی۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟

”میں اندر آ جاؤں؟“ اس نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ عورت نے اسے ایک صاف ستھرے بستر پر بٹھایا۔ مسعود نے اسے اپنے گزرے ماہ و سال کی کہانی سنائی اور اسے یہ بھی بتا دیا کہ اب وہ کامیاب ہو کر لوٹا ہے۔

”دادی تمہارے غم میں زیادہ نہ جی سکیں، مگر انہیں مرنے سے پہلے تک یقین تھا کہ تم لوٹ کر آؤ گے۔“



عمل تھا جس کا وہ خود کبھی مرتکب ہوا نہ عملے کو ہونے دیا۔ پچھلے چند ماہ سے مانی گارمنٹس کی مصنوعات مندے کا شکار تھیں جس کی شکایت اس کا مارکیٹنگ مینجر کر چکا تھا۔ اچانک مصروفیات کے باعث وہ اس طرف متوجہ نہ ہو سکا لیکن بھولا بھی نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج سہ پہر تین بجے اس نے اپنے مارکیٹنگ مینجر اور ڈیزائنر کو میٹنگ پر بلا لیا۔ بحث مندے کی وجہ پر ہوئی تھی۔ لیکن آدھ گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد یہ حادثہ پیش آ گیا جس نے اس کی سوچیں منتشر کر ڈالیں۔ ایک بار گھر واپس لوٹ جانے کا خیال آیا لیکن وہ یہ سوچ کر گاڑی چلاتا رہا کہ ان دو آدمیوں کا کیا قصور ہے جنہیں دفتر بلا رکھا ہے۔

تیار شدہ ملبوسات کا یہ دھندہ اس نے برسوں پہلے شروع کیا تھا۔ اس عرصے میں ہر قسم کے رنگ دیکھے... کئی بار وہ منہ کے بل گرنے کو آیا لیکن ہر بار لگا جیسے ایک کندھا اسے سہارا دے کھڑا کر دیتا۔ کون اس کا مہربان تھا، یہ تو اسے بہت بعد میں معلوم ہوا لیکن جب بھید کھلا تو

اس کی چھاتی خوشی سے پھٹنے کو آگئی۔

سچ تو یہ ہے کہ اس نے کچھ کہے سے بغیر اپنے محسن کا ماتھا چوم لیا اور کہا تھا، تو وہ تم ہو... یہ سن کر کراچ کھنک گئے۔ ایک چہرہ سرشار ہوا جب کہ دوسرے پر حیرتیں اتر آئیں۔ پتا نہیں کون سے جذبے کا زور تھا کہ بھیگی نظروں سے زمین بھی گیلی ہو گئی۔ اس پر ممنونیت طاری ہوئی تو مقابل چہرے کی پلکوں پر آئے موتیوں کو دونوں انگوٹھوں میں جذب کر ڈالا۔

گاڑی کھڑی کرنے کے بعد اس نے بایاں منڈگا روڈ دیکھا، جو ٹیڑھا ہو چکا تھا۔ بونٹ پر بھی واضح خراشیں تھیں۔ آنے والے لمحوں کی تیاری کے لیے تانے بانے بنتا ذہن مصروف ہوا تو وہ چند منٹ کے واسطے کہیں نہیں تھا۔ جب حواس میں لوٹا تو مارکیٹنگ مینجر اور ڈیزائنر اس کے پاس کھڑے تھے۔

”کیا ہوا سر، خیریت تو ہے؟“ دونوں کے چہروں پر استعجاب تھا۔

”کچھ نہیں، گاڑی کی موفلانج کرا دو اور آدھے گھنٹے بعد آؤ۔“ یہ کہہ کر وہ چھوٹے

چھوٹے قدم اٹھاتا اپنے دفتر میں بیٹھا۔ تھوڑے سے وقت میں جہاں اس نے اور بہت کچھ سوچا، یہ خیال بھی آیا، کیوں نہ جواد اور عزیز سے مشورہ کر لیا جائے۔ اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے لیکن اندر بیٹھا انسان پھر بھی مطمئن نہیں تھا۔ اس کی انگلی تھامے جانے کہاں کہاں لیے بھٹکتا پھرا۔ آدھا گھنٹا آخر تیس منٹ ہی کا تو ہوتا ہے، بیت گیا اور پردے کے عقب سے جواد نمودار ہوا۔

”آؤ جواد بیٹھو!“ اس نے سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”عزیز نہیں آیا؟“ اس نے چھوٹے ہی جواد سے پوچھ لیا؟

”تم نے میرے منہ کی بات چھین لی یا مجھے کہتے ہوئے دیر ہوئی۔ دراصل چند منٹ پہلے عزیز کے گھر سے فون آیا تھا۔ اس کا بھائی ایک حادثہ میں شدید زخمی ہو گیا ہے۔ کوئی کار والا تھا جو اسے ٹکر مار کر بھاگ نکلا... گھٹیا کہیں کا، کمینہ، بزدل انسان، مرد ہوتا تو رکتا، چور ہو گا کوئی، گاڑی چوری کر کے بھاگا ہوا، چور کہاں

رکتا ہے، کوئی زخمی ہو یا مر جائے۔“

”تم اس کار والے کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟“

دونوں میں آپ جناب کا تکلف اس لیے نہیں تھا کہ بچپن میں ناٹ پر ساتھ بیٹھ کر پڑھے تھے۔ کئی بار لڑے بھی تھے لیکن دوستی پر آج نہیں آئی۔ جب کبھی دونوں میں بچپنا لوٹ آتا تو سنجیدگی دور کھڑی مسکرانے لگتی۔

اس نے اچانک سوال کیا تو جواد کی بات درمیان میں یا کہیں آس پاس رک گئی، بولا ”میں کیا کرتا، فوراً گاڑی روکتا، دوڑ کر زخمی کے پاس پہنچتا، اسے اٹھاتا، کپڑے جھاڑتا، معذرت کرتا اور اپنی گاڑی میں اسپتال مرہم پٹی کرانے لے جاتا۔ حسب توفیق اس کی مالی اعانت بھی کرتا اور جب تک وہ مکمل صحت یاب نہ ہوتا، بلاناغہ عیادت کرنے جاتا...“

”میں تمہیں عرصے سے جانتا ہوں جواد کہ تم کتنے بہادر اور زخمی ہو۔ تقریر تو تم اس وقت بھی خوب کرتے تھے جب ضرورت نہ ہوتی!“ اس نے رستے سے جواد کی بات اچک لی۔





”اور اگر تم میری جگہ ہوتے تو یقیناً گاڑی بھگالے جاتے، زخمی کو لہولہاں ترپتے ہوئے چھوڑ کر، کیونکہ تم آج بھی اتنے ہی بزدل ہو جتنے نوجوانی میں تھے۔ تم مشتعل ہجوم سے ڈرتے ہو۔“

یہ کہہ کر جواد کو جیسے سانپ سونگھ گیا یا شاید کسی ایسے خیال نے اسے خاموش کر دیا جو ایک لمحہ پہلے اس کے ذہن میں اترتا تھا۔ اس کی نظریں یکدم نیچنگ ڈائریکٹر کی کرسی پر بیٹھے شخص کے چہرے سے ہٹ کر اپنی جھولی میں گر گئیں۔

”بولو جواد، میں تمہاری بات سن رہا ہوں!“ اس نے قدرے جھکا سر اٹھا کر جواد کی آنکھوں میں جھانکا۔

”نہیں سر، میں پتا نہیں کیوں بڑبولا سا ہو گیا۔ مجھے افسوس ہے، میں نے وہ بھی کہہ دیا جو نہیں کہنا چاہیے تھا۔“ اس کے چہرے پر تاسف کی پرچھائیاں واضح تھیں۔

دفتر میں یوں خاموشی چھا گئی جیسے وہاں کوئی ذی روح نہ ہو۔ دونوں اپنی اپنی سوچ

میں گم بیٹھے تھے۔ جواد پچھتاوے کی دلدل سے خود کو نکالنے کی سعی میں تھا۔ اس کے احسانات یکے بعد دیگرے جواد کے ذہن کی راہداری سے گزر رہے تھے۔ اس نے اپنے کل کو آج کے سامنے کھڑا کیا تو اسے خود سے گھن سی آنے لگی۔

وہ منظر اس کی آنکھوں

میں گھوم گیا جب دونوں اچانک ملے تھے۔ اس نے پوچھ لیا ”آج کل کیا کر رہے ہو؟“

”فارغ ہوں اور سر نہیں ناپتا ہوں۔“ اس نے یہی جواب دیا تھا۔

”میرے پاس کیوں نہیں آئے؟“ اس کے لہجے میں دوستی والا رعب تھا۔

”تمہارے پاس؟ بس یونہی یار!“ اس سے کوئی بات نہ بن پائی۔

”صبح میرے پاس آؤ اور دیکھو ڈھنگ کا لباس پہن کر آنا۔“

دونوں نے اپنی راہ لی لیکن اس نے دیکھا کہ جواد کے چہرے پر اطمینان کی تازگی آگئی۔ پھر آج تک اس کا ہاتھ جواد کے

کندھوں پر تھا۔

”گھٹیا کہیں کا، کمینہ، بزدل انسان، مرد ہوتا تو رکتا، چور ہوگا کوئی، گاڑی چوری کر کے بھاگا ہوا، چور کہاں رکتا ہے؟ کوئی زخمی ہو یا مر جائے۔“ اس کے دماغ میں جواد کی باتوں کی بازگشت گونج رہی تھی۔

”نہیں، میں ایسا ہرگز نہیں! وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔ اس کے چہرے پر پچھتاوے کی لہر آ کر گزر گئی۔ اسے اپنے اندر شکاف پڑتا دکھائی دیا۔

”جواد!“

”جی سر!“

”چلو عزیز کے بھائی کو دیکھ آئیں!“

”سرکل چلیں گے!“

”نہیں ابھی! دیکھو جواد! میں گھٹیا نہیں

ہوں، بزدل بھی نہیں اور نہ چور!“

”سر! آپ کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”اس لیے کہ مجھے یقین ہے، عزیز کا

بھائی میری ہی گاڑی سے ٹکرایا تھا۔“

☆☆☆

## ایئر مائڈ سارٹ فون پر پٹرین لاک توڑنے کا آسان طریقہ

1:- سب سے پہلے سارٹ فون سے میموری کارڈ نکالیں اور پھر موبائل کو سوچ آف کر دیں۔

2:- سارٹ فون کے آف ہونے کے بعد Volume up اور Power کے بٹن کو ایک ہی وقت میں دبائیں اور سکرین پر کچھ بھی ظاہر ہونے تک انہیں دبائے رکھیں۔

(نوٹ: سام سنگ گلکسی سیریز کے ہائی اینڈ سارٹ فونز میں ریکوری موڈ میں جانے کیلئے volumeup+volumedown Power+ پر پس کریں۔ دیگر کمپنیوں کے موبائلز پر ریکوری موڈ میں جانے کا طریقہ مختلف ہے۔ آپ اپنے ماڈل کی مناسبت سے گوگل پر سرچ کر سکتے ہیں۔)

Reboot System now  
apply update from ADB  
wipe date/factory reset  
wipe cache partition

4:- اب اپنے موبائل کے وائیم بٹن کا استعمال کرتے ہوئے تیسری آپشن پر پر آئیں اور پاور بٹن کے ذریعے کلک کریں۔ اس کے بعد آپ کے سامنے ایک اور سکرین آئے گی جس پر ایک دفعہ Yes اور کئی دفعہ No لکھا ہوگا۔ آپ Yes کی آپشن پر کلک کریں گے تو آپ کا موبائل ڈیٹاری سیٹ کرنے کے بعد ری سارٹ ہو جائے گا اور آن ہونے پر بالکل نئی حالت میں ہوگا۔ اب آپ اپنا ملک، وقت اور تاریخ اور دیگر آپشنز کو سیٹ کر کے نئے سرے سے اپنا موبائل استعمال کر سکتے ہیں۔



## آن لائن فراڈ اور ان سے بچنے کے طریقے

آپ اس مضمون میں دیے گئے طریقوں پر عمل کر کے لٹنے سے بچ جائیں۔

### 1۔ فری ٹرائل آفر فراڈ

آپ کسی حیران کن چیز کو ایک مہینہ مفت آزمائشی طور استعمال کرنے کی پیش کش دیکھتے ہیں۔ یہ عموماً دانتوں کو سفید کرنے والی کوئی چیز ہوتی ہے یا وزن کم کرنے کا پروگرام۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو صرف وہ رقم ادا کرنا ہوگی جو اس چیز کو آپ تک پہنچانے میں خرچ ہوگی۔ پیش کش کی تحریر باریک الفاظ میں ایسے رنگ سے چھاپی

ممکن ہے یہ تحریر آپ کو ان لوگوں میں شامل ہونے سے بچادے، جنہیں لٹنے کے بعد پچھتاوا ہوا... انٹرنیٹ جہاں معلومات اور تفریح کا بہت بڑا ذریعہ ہے وہاں اس پر فراڈیے بھی ہر وقت سرگرم رہتے ہیں۔ وہ انٹرنیٹ پر آپ کی تمام سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہیں اور موقع ملتے ہی آپ کو دھوکا دے کر لوٹ لیتے ہیں۔ آج کل انٹرنیٹ پر 8 قسم کے فراڈ زیادہ کیے جا رہے ہیں۔ ان کی تفصیل دی جا رہی ہے تاکہ آپ انٹرنیٹ استعمال کرتے ہوئے محتاط رہیں اور اگر کوئی فراڈ یا آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کرے تو

جاتی ہے جو مٹ جاتا ہے اور اس کے نیچے یہ عبارت مٹھپائی گئی ہوتی ہے کہ آپ ہر مہینے \$79 یا \$99 ادا کرنے کے پابند ہوں گے۔ امریکہ میں انٹرنیٹ فراڈ کی وارداتوں کے بارے میں تفتیش کی ماہر اور ایف بی آئی کے علاوہ امریکہ کے فیڈرل ٹریڈ کمیشن کو مشاورت دینے والی کرٹین ڈرسٹ کہتی ہیں، ”یہ لوگ بہت چالاک ہیں۔ انہیں پتا ہے کہ اکثر لوگ ’میں متفق ہوں‘ کے الفاظ پر کلک کرنے سے پہلے باریک لفظوں میں لکھی تحریر نہیں پڑھتے اور جو لوگ پڑھتے بھی ہیں، وہ محض اعداد پر سرسری سی نگاہ ڈالتے ہیں۔ چنانچہ فراڈ کرنے والی کمپنیاں اعداد کے ساتھ ڈالر کا نشان (\$) نہیں ڈالتیں۔ اس طریقے سے رقمیں اور رقم ادا کرنے کی مدت چھپا دی جاتی ہے۔ اس فراڈ سے بچنے کا طریقہ: ایسی پیش کشوں کے ساتھ باریک لفظوں میں لکھی تحریر غور سے پڑھیے۔ ایسی پیش کشوں کے ساتھ کسی عورت یا مرد کی گواہی بھی دی گئی ہوتی ہے کہ اس نے یہ چیز استعمال کی اور یہ واقعی مفت پیش کی جا رہی ہے۔ ایسی کسی بھی

گواہی پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیجیے۔ ایک سرچ انجن ایسا بھی ہے جو ایک جیسی شکلوں والی تصویریں تلاش کر سکتا ہے۔ اس کا یو آر ایل یہ ہے: tineye.com اگر آپ کو پیش کش والے اشتہار میں موجود عورت ویب پر بہت سی چیزوں میں گواہی دیتی دکھائی دے تو سمجھ جائیے کہ یہ سب سلسلہ فراڈ پر مبنی ہے۔

### 2۔ ہاٹ سپاٹ فراڈ

آپ کسی ایر پورٹ یا کافی شاپ میں بیٹھے ہیں اور مقامی وائی فائی زون سے لاگ ان ہو جاتے ہیں۔ یہ مفت ہوتا ہے۔ جب آپ کنیکٹ ہوتے ہیں تو سب کچھ ٹھیک دکھائی دیتا ہے۔ یہ ویب سائٹ بظاہر قانونی ہوتی ہے۔ حقیقت میں قریب ہی موجود کوئی بد معاش اپنے لیپ ٹاپ سے اسے چلا رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ سائٹ ”مفت“ ہو تو وہ بد معاش خاموشی سے آپ کے بینک، کریڈٹ کارڈ اور دوسری پاس ورڈ انفارمیشن کھوج رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ خریداری کی جعلی ویب سائٹ ہے تو بد معاش





لیے سرگرم ایک امریکی ماہر جوش جارج کہتے ہیں کہ ٹویٹر پر اپنے کسی فالوور کی طرف سے بھیجے گئے لنک پر کلک کرنے سے پہلے اس کے پروفائل کا جائزہ لیں۔ اگر وہ ہزاروں لوگوں کو فالو کر رہا ہے مگر کوئی اسے فالو نہیں کر رہا تو جان لیجیے کہ وہ ایک روبوٹ ہے۔

click on the link to learn more“ آپ اس لنک پر کلک کرتے ہیں تو وہ آپ کے کمپیوٹر میں ”بوٹ“ یعنی سافٹ ویئر روبوٹ کو ڈاؤن لوڈ کر دیتا ہے، جو آپ کے کمپیوٹر کو ”زومبیوں“ کے بوٹ نیٹ سے جوڑ دیتا ہے جسے سکیورسٹیم ای میل بھیجنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ فراڈیے ٹویٹر پر ٹویٹ کرنے کے لیے یو آر ایل کو مختصر بنانے والی سروسز کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ چوں کہ مختصر یو آر ایل سے اصل یو آر ایل کا پتا نہیں چلتا، اس لیے فراڈیے اس سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔

4۔ آپ کا کمپیوٹر خراب ہے! ایک ونڈو اچانک ابھرتی ہے جس میں بظاہر قانونی اینٹی وائرس پروگرام کے بارے میں بتایا گیا ہوتا ہے جیسے کہ ”اینٹی وائرس ایکس پی 2010“ یا ”سکیورٹی ٹول“ اور آپ کو خبردار کیا گیا ہوتا ہے کہ آپ کے کمپیوٹر میں ایک

پریفرنسز میں جائیں اور Ask to join new network پر چیک لگا دیجیے۔) اگر آپ سفر پر جا رہے ہیں تو اپنے کریڈٹ یا ڈیٹ کارڈ کی تفصیلات کسی وائی فائی نیٹ ورک کی خریداری کے لئے استعمال نہیں کیجیے یا پھر ایئر پورٹ پر خدمات مہیا کرنے والوں کا ایڈوائس اکاؤنٹ بنا لیجیے۔ عوامی ہاٹ سائٹس سے اپنے بینک اکاؤنٹ استعمال نہیں کیجیے یا انٹرنیٹ شاپنگ نہیں کیجیے۔ اگر ضروری ہو تو پہلے یقین کر لیجیے کہ نیٹ ورک محفوظ ہے۔ (یو آر ایل میں https دیکھیں یا اپنے براؤزر کے ٹچلے دائیں طرف والے کونے میں تالے کا چھوٹا سا نشان دیکھیں۔)

### 3۔ ٹویٹر کے انعامی مقابلے

آپ کو ٹویٹر پر اپنے کسی فالوور کی طرف سے ایک ٹویٹ موصول ہوتی ہے۔ اس میں آپ کو آئی پیڈ یا کسی دوسری قیمتی چیز کو جیتنے کے لیے مقابلے میں شریک ہونے کی ترغیب دی گئی ہوتی ہے اور یہ الفاظ لکھے ہوتے ہیں: ”Just

خریداری کے لیے آپ کی ادائیگی کی تمام تفصیلات حاصل کر کے دوسرے بدمعاشوں کو فروخت کر دیتا ہے۔ جعلی وائی فائی ہاٹ سائٹ آج کل عام ہو رہے ہیں اور یہ جاننا مشکل ہے کہ حقیقی وائی فائی ہاٹ سائٹ کون سا ہے۔ اینٹی وائرس بنانے والی ایک کمپنی کے وائس پریزیڈنٹ آف انجینئرنگ برائن یوڈر کہتے ہیں، ”یہ کام کرنا آسان ہے اور لوگ اس کی طرف تیزی سے مائل ہو رہے ہیں۔ مجرم کسی وائی فائی پرووائڈر کے ویب پیج کی نقل کرتے ہیں اور اس کے ذریعے معلومات اپنے لیپ ٹاپ میں لے آتے ہیں۔“ اس فراڈ سے بچنے کا طریقہ: اس بات کا یقین کیجیے کہ آپ کے کمپیوٹر کی سیٹنگ ایسی نہیں ہے کہ وہ خود بخود ندان پریفراڈ نیٹ ورکس سے کنکٹ ہو جائے۔ (اگر آپ پی سی استعمال کر رہے ہیں تو نیٹ ورک سیٹنگ میں جا کر connect to non-prefered networks ان چیک کر دیجیے۔ اگر آپ میک استعمال کرتے ہیں تو نیٹ ورک پین میں سسٹم







کرنے کے لیے فلاں مفت کال والے نمبر پر کال کیجیے۔ جس بینک کی طرف سے آپ کو وہ ٹیکسٹ میسج آتا ہے، وہ اصل میں کوئی فراڈ یا ہوتا ہے۔ اسے توقع ہوتی ہے کہ آپ دھوکے میں آکر اسے اپنے اکاؤنٹ کی تفصیل بتا دیں گے۔ اسی طرح گفٹ سرٹی فکیٹ بھی جعلی ہوتا ہے۔ جب آپ دیے گئے نمبر پر کال کرتے ہیں تو آپ سے کہا جاتا ہے کہ یا تو آپ کو رسالوں کا خریدار بننا ہو گا یا اپنا انعام حاصل کرنے کے لیے ڈاک کا خرچ بھیجنا ہو گا۔ اس فراڈ کو ”سمشنگ“ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ لفظ ای میل کے ذریعے لوگوں کو لوٹنے کے حربے ”سمشنگ“ اور ”ایس ایم ایس“ کو ملا کر بنایا گیا ہے۔

لنک پر کلک کیے بغیر اس ونڈ کو بند کر دیجیے۔ اس کے بعد کسی اصل ایسٹریکٹ پروگرام کے ذریعے اپنے پورے سسٹم کو سکین کیجیے۔

#### 5۔ ڈائل کیجیے اور ڈائلر کمائیے

آپ کو اپنے بینک کی طرف سے ایک ٹیکسٹ میسج ملتا ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ ایک مسئلہ پیدا ہو گیا ہے جسے حل کرنے کے لیے آپ کو کال کر کے اپنے اکاؤنٹ کے بارے میں کچھ معلومات مہیا کرنا پڑیں گی۔ ایسے ٹیکسٹ میسج میں یہ بھی لکھا ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی بہت ساری شاخوں والے سٹور (چین سٹور) کا انعامی سرٹی فکیٹ جیت لیا ہے، اسے حاصل

ہے۔ ایک ایسٹریکٹ پروگرام بنانے والی کمپنی میکافی لیز کے سکیورٹی اینڈ ریسرچ کے ڈائریکٹر ڈیو مارکس کہتے ہیں، ”یہ انٹرنیٹ کے چند خطرناک ترین فراڈوں میں سے ایک ہے جس سے روزانہ تقریباً دس لاکھ کمپیوٹر استعمال کرنے والے متاثر ہو رہے ہیں۔ یہ فراڈ بڑی چالاکی سے کیا جاتا ہے اور اس کی کامیابی کی ایک وجہ یہ ہے کہ پچھلے بیس سال سے لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ کمپیوٹر وائرس سے بچیں۔“ حد تو یہ ہے کہ کمپیوٹر کے ماہرین بھی اس فراڈ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس فراڈ سے بچنے کا طریقہ: اگر کوئی پاپ اپ ونڈو آپ کو خبردار کرے کہ آپ کے کمپیوٹر میں وائرس آچکا ہے تو اس میں موجود کسی بھی



خطرناک بگ (bug) داخل ہو چکا ہے۔ آپ کو ترغیب دی جاتی ہے کہ ایک لنک پر کلک کریں تاکہ آپ کے کمپیوٹر کی سکیورٹی شروع ہو جائے۔ آپ کلک کر دیتے ہیں اور بظاہر وائرس کا پتا بھی چل جاتا ہے۔ اب وہ کمپنی آپ سے کہتی ہے کہ اپنے کمپیوٹر میں موجود وائرس ختم کروائیں جس کی فیس 50 ڈالر ہوتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب آپ لنک پر کلک کرتے ہیں تو وہ جعل ساز کمپنی آپ کے کمپیوٹر میں ایک میل ویئر انسٹال کر دیتی ہے۔ اس نے وائرس ختم کرنا نہیں ہوتا البتہ آپ کا کریڈٹ کارڈ نمبر چرا کر آپ کے اکاؤنٹ سے ساری رقم لوٹ لیتی ہے جب کہ آپ کے کمپیوٹر کا بھی ستیاناس ہو چکا ہوتا



انٹرنیٹ پر فراڈ کرنے والے لوگ جنہیں سکمز کہا جاتا ہے سمارٹ فون ریوولوشن کا غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ انہیں توقع ہوتی ہے کہ آپ کو اپنے فون پر ٹیکسٹ میسج ملے گا تو آپ اس بات کی کھوج لگانے کی کوشش نہیں کریں گے کہ اسے واقعی بینک ہی نے بھیجا ہے یا کسی فراڈیے نے۔

## 6- خیراتی ادارے کے نام

آپ کو ایک ای میل ملتی ہے جس میں بیٹی یا کسی دوسرے ترقی پذیر ملک کے ایک ایسے یتیم بچے کی دردناک تصویر ہوتی ہے جو غذا کی کمی وجہ سے انتہائی کم زور ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ التجا کی گئی ہوتی ہے، ”براہ مہربانی آج ہی زیادہ سے زیادہ نقد امداد دیجیے۔“ اس ای میل میں کہا گیا ہوتا ہے کہ فلاحی کام جلد کرنے کے لیے آپ رقم کسی تیز رفتار ذریعے سے بھیجیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی ذاتی معلومات یعنی پتا اور بینک اکاؤنٹ نمبر وغیرہ بھی مانگے جاتے ہیں۔ مالی مدد کی یہ درخواست فراڈ ہوتی ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ کے بینک اکاؤنٹ کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ یہ فراڈیے کسی مصیبت زدہ کی کوئی مدد نہیں کرتے۔ انٹرنیٹ، ای میل اور ٹیکسٹ میسج

ذریعے مطلوبہ معلومات تلاش کرنا)۔ ہو سکتا ہے گوگل سے آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ نمبر کسی فراڈیے کا ہے۔

نے امداد کے نام پر فراڈ کے پرانے حربے کو نئی زندگی دے دی ہے۔ کرٹین ڈرسٹ کہتی ہیں، ”یہ فراڈیے خبریں بہت توجہ سے سنتے ہیں اور جیسے ہی کہیں کوئی آفت آتی ہے، لوگوں کی ہمدردیوں کا غلط فائدہ اٹھانے کے لیے فوراً ایک ویب سائٹ بنا کر اور پے پال اکاؤنٹ کھول کر فراڈ شروع کر دیتے ہیں۔ کرٹین ڈرسٹ نے کہا جب مائیکل جیکسن فوت ہوئے تھے تب انٹرنیٹ پر بہت ساری ایسی ویب سائٹس کھل گئی تھیں جو لوگوں کو مائل کرتی تھیں کہ مائیکل جیکسن کی پسندیدہ فلاحی تنظیموں اور اداروں کو چندہ دیا جائے۔

اس فراڈ سے بچنے کا طریقہ:

حقیقی فلاحی اداروں کی ویب سائٹوں کے ذریعے صرف انہی کو چندہ دیجیے۔ جن ای میلز میں مالی امداد مانگی گئی ہو، ان میں موجود لنکس پر کلک کر کے چندہ دینے کی بجائے فلاحی اداروں کی ویب سائٹس خود تلاش کیجیے۔ حقیقی فلاحی ادارے رقم جلد بھیجنے پر اصرار نہیں کرتے، نہ ہی کسی کو اپنے بینک اکاؤنٹ سے متعلق

معلومات مہیا کرنے کا کہتے ہیں۔

## 7- محبت برائے فروخت

کوئی لڑکا یا لڑکی فیس بک یا چیٹ روم یا ور چوکل گیم کھیلتے ہوئے آپ کا واقف بنتی ہے۔ آپ دونوں ایک دوسرے کو اپنی تصویریں بھیجتے ہیں اور فون پر باتیں کرتے ہیں۔ جلد ہی آپ دونوں ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں جیسے آپ کو ایک دوسرے ہی کے لیے بنایا گیا تھا لیکن مشکل یہ ہوتی ہے کہ آپ کی محبوب ہستی کسی دوسرے ملک میں رہتی ہے اور اسے اپنے بے رحم باپ سے جان چھڑانے یا کسی بیماری کا علاج کروانے یا آپ کے ملک آ کر آپ سے ملنے کی غرض سے ہوائی جہاز کی ٹکٹ خریدنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ دراصل آپ کو جس سے محبت ہو گئی ہے، وہ دھوکے باز ہے۔ اگر آپ اسے اپنے ملک آنے کے لیے رقم بھیجیں گے تو یہ مقصد پورا نہیں ہوگا اور آپ کی رقم ضائع ہو جائے گی۔ آن لائن سوشل نیٹ ورکنگ نے ایسے سنگ دل فراڈیوں کے لیے دھوکے بازی کا



طفیل شاہد



## متوازن غذا سے اچھی صحت

خصوصاً ان کے قلب کے پورے نظام کو نقصان پہنچنے کا امکان ہوتا ہے۔

امراض قلب سے بچاؤ کا ایک راز یہ ہے کہ کھانوں میں ایسا وقفہ رکھا جائے کہ خون میں چکنائی کی سطح کبھی بھی بہت زیادہ نہ ہونے پائے اور چکنائی خون کے دوران بہ آسانی دور ہو جائے۔ برطانیہ میں ڈاکٹر ڈیوڈ فریپ کیمرج سے نزدیک پیپ ورتھ اسپتال میں یہ تحقیق کر رہے ہیں کہ غذا کا امراض قلب اور ذیابیطس سے کیا تعلق ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ برطانیہ میں

جو لوگ صبح کا ناشتہ نہیں کرتے وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ دوپہر کا کھانا مناسب حد تک پروٹین، نشاستے اور چکنائی کا مرکب ہونا چاہیے۔ رات کے کھانے میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے اور اس میں بھی غذائی اصولوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ انسان کو دن بھر میں ایک دفعہ سے زیادہ کھانا کھانا چاہیے جو لوگ اکثر صبح کا ناشتہ بھی نہیں کرتے اور دن کا کھانا بھی نہیں کھاتے اور پھر شام کو ڈٹ کر کھاتے ہیں وہ اپنی صحت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں،

چاہیے، اس ایڈریس پر ای میل بھیجو اور اپنے بارے میں بتاؤ۔ یہ سراسر فراڈ ہوتا ہے۔ اس حوالے سے یہ چالاکی بھی کی جاتی ہے کہ ہر ملک کے حساب کتاب سے متوجہ بھیجے جائیں، پاکستان میں آج کل ٹڈل ایسٹ وغیرہ سے تعلق ہونے کا دعویٰ کرنے والی باجواب لڑکی کے متوجہ آتے ہیں۔ اس فراڈ کو سمجھنا بہت آسان ہے۔ اس لڑکی کی فیس بک وال دیکھی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ صرف دو تین پوسٹ ہوں گی اور یہ کوئی ایکٹیو یوزر نہیں۔

فراڈ کا ایک اور طریقہ بھی دلچسپ ہے، کسی دلچسپ یا بولڈ موضوع پر کوئی ویڈیو ملے گی، نیچے کمپین ایسا ہوگا کہ اسے کلک کرنے پر مجبور ہو جائیں، جیسے ہی کلک کیا، وہ ویڈیو تو نہیں کھلے گی، مگر جو پیج کھلے گا، وہ جان کو آجائے گا، اسے بند کرنا بھی ممکن نہیں رہے گا۔

بہتر یہی ہے کہ کسی انجان آئی ڈی سے آنے والے کسی متوجہ اور ویڈیو کو کلک نہ کیا جائے اور اسے ڈیلیٹ کرنے کو ترجیح دی جائے۔

☆☆☆

یا دروازہ کھول دیا ہے۔ انہیں اکیلے پن کے شکار افراد کو ورغلائے میں مہارت حاصل ہے اور وہ انہیں دوستی یا محبت کا دھوکا دے کر لوٹ لیتے ہیں۔

اس فراڈ سے بچنے کا طریقہ

کرشین ڈرسٹ کہتی ہیں، ”انٹرنیٹ پر جذبات میں ہوش حواس کھو دینا تقریباً ناممکن ہے لیکن آپ کھنچاؤ رہنا اور عقل سے کام لینا چاہیے۔ سوشل نیٹ ورکنگ کی ویب سائٹس نئے دوست بنانے کا بہترین ذریعہ ہیں، حتیٰ کہ آپ دور افتادہ ملکوں کے لوگوں کو بھی دوست بنا سکتے ہیں لیکن اگر کوئی نیا واقف بننے والا شخص آپ سے رقم مانگے تو فوراً سائن آف کر دیجیے۔

## 8۔ فیس بک کے جعلی اکاؤنٹ

فراڈیے فیس بک کے جعلی اکاؤنٹ بھی استعمال کرتے ہیں، ان کے دواہم حربے ہیں، ایک تو کسی دلکش خاتون کا آپ کے ان باکس میں میسج آتا ہے، جس میں لکھا ہوتا ہے کہ آپ کے پروفائل کو دیکھا تو اچھا لگا، ہمیں دوستی کرنی



دن بھر میں باقاعدہ تین کھانوں کا جو رواج چلا آ رہا ہے وہ نہایت مناسب ہے البتہ ان کھانوں میں کاربوہائیڈریٹ خاصے زیادہ چکنائی کم اور پروٹین کافی ہونا چاہیے تاکہ عضلات اور اہم ترین اعضا کی ساخت کو برقرار رکھا جاسکے۔ ڈاکٹر فریب کا کہنا ہے کہ جو لوگ صبح کا ناشتہ نہیں کرتے وہ سخت غلطی کرتے ہیں کیونکہ ناشتہ ہماری صحت کے لیے بہت اہم ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں احتیاط ضروری ہے کہ ناشتے میں کیا کھایا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ دلایا کارن فلیکس کی طرح کا کوئی سیریل دودھ کے ساتھ اور ایک توس، یا تھوڑے سے مکھن کے ساتھ نہایت مناسب ناشتہ ہے۔

دوسرے جسمانی فعلوں کی طرح جسم میں انسولین کی پیداوار کی شرح اور جسمانی ریشوں پر انسولین کے اثرات بھی دن کے مختلف حصوں میں مختلف ہوتے ہیں۔ نظام ہضم اور نظام استحالہ کو ہمارے جسم کے اندر ایک قدرتی گھڑی کنٹرول کرتی ہے۔ صبح سویرے انسولین کی کارکردگی کم ہوتی ہے اور اس وقت

کاربوہائیڈریٹ کی بہت زیادہ مقدار لی جائے تو اس کے نتیجے میں کم کثافت والی چربی دار پروٹین جگر سے خارج ہو کر خون کے دوران میں شامل ہو جاتی ہے۔ انسولین کی نہ صرف کاربوہائیڈریٹس کے استحالے (ہضم و جذب = مینابولزم) کے لیے ضرورت پڑتی ہے بلکہ یہ اس کیمیائی خمیر کی کارکردگی کو بھی بڑھا دیتی ہے جو خون کے دوران سے ٹرائی گلیسرانڈز اور دیگر بہت کم کثافت والے چربی دار لحمیوں کو صاف کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ اس طرح کی چربی ہے جسے اگر زیادہ دیر تک خون میں شامل رہنے دیا جائے یا اس کی سطح خون میں بہت زیادہ ہو جائے تو یہ مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر ناشتے میں زیادہ چکنائی کھالی جائے مثلاً تلی ہوئی اشیاء یا زیادہ مکھن والے توس تو دوپہر کے کھانے کے وقت تک خون میں چربی کی سطح بہت بڑھ جاتی ہے۔ کچھ چربی آنتوں میں جمع ہو جاتی ہے اور جب دوپہر کے کھانے کی چربی بعد دوپہر دوران خون میں شامل ہوتی ہے تو یہ چربی بھی پہلے سے آنتوں پر جمع چربی میں شامل ہو جاتی ہے۔

ناشتے کی طرح دوپہر کا کھانا بھی مناسب حد تک پروٹین، کاربوہائیڈریٹ اور چکنائی کا مرکب ہونا چاہیے۔ اگر کھانے میں کاربوہائیڈریٹ بہت زیادہ ہو جائیں اور پھر ساتھ میں پھلوں کے رس کا بھرا ہوا بڑا گلاس اور میٹھی کوئی کی پیالی بھی ہو تو نتیجے میں جگر سے چکنائی کا اخراج خون میں نمایاں طور پر بڑھ جائے گا۔ نیز خون میں شکر بھی بڑھ جائے گی۔ کھانے میں کاربوہائیڈریٹ کی بہت زیادہ مقدار سے (خصوصاً اس صورت میں کہ ناشتہ نہ کیا ہو) خون میں شکر کی سطح بڑھے گی وہ دل اور گردوں کی بیماری کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ جوں جوں دن گزرتا ہے نظام استحالہ چکنائی پر زیادہ اچھے طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جب ناشتہ کیا ہوا ہو۔ یاد رکھیے کہ رات کے کھانے میں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے۔ ورزش بہت اہم ہے لیکن اگر کھانے کے فوراً بعد شدت کے ساتھ ورزش کی جائے تو دوران خون میں مزاحمت ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خون کی فراہمی کا بڑا حصہ نظام

ہضم اور قلب سے دور ہو کر بازوؤں کے عضلات کا رخ اختیار کر لیتا ہے اس صورت میں قلب آکسیجن سے محروم ہو سکتا ہے اور اگر جسم میں قلب کے اگلی مرض اور انجائنا کا رجحان موجود ہو تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس وقت ورزش سے ہاضمے پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ یہ بات کئی سال سے ماہرین کے علم میں ہے کہ ہمارے جسم میں بننے والی انسولین کی مقدار اور جسمانی ریشوں پر اس کے اثرات کو امراض قلب کو روکنے یا بڑھانے میں بڑا دخل ہے۔





اینڈرائیڈ میں وائرس؟

گوگل کے اینڈرائیڈ موبائل آپریٹنگ سسٹم میں ایک ایسے وائرس کا پتہ چلا گیا ہے جس سے کروڑہا موبائل فون متاثر ہوئے ہیں۔ اس وائرس کی مدد سے ہیکرز ایسارٹ فونز استعمال کرنے والوں کو کوئی بھی تصویر یا ویڈیو پیغام بھیج کر اس کے فون کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ گوگل کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ کو حل کر لیا گیا ہے، تاہم لاکھوں فونز میں اب بھی سافٹ ویئر آپ لوڈ کرنے کی ضرورت ہے۔ امریکہ کی انفارمیشن سیورٹی کمپنی کا کہنا ہے کہ یہ وائرس اینڈرائیڈ کے تمام مواد کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وائرس سے 90 کروڑ 50 لاکھ موبائل فونز متاثر ہوئے ہیں۔ ہیکرز ملٹی میڈیا پر مبنی روانہ کر کے وائرس سے متاثرہ کوڈ بھیج رہے ہیں، جو اینڈرائیڈ کی ایپلیکیشنز نامی سروسز تک رسائی حاصل کر رہا ہے۔ اگر اس وائرس کو اس سروسز تک رسائی ہو جاتی ہے تو پھر وہ موبائل سیٹ میں موجود ایپلیکیشنز اور دیگر معلومات تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ لاس ویگاس میں ایک سائبر سیورٹی کانفرنس ہوئی جس میں اس وائرس کے بارے میں مزید معلومات کو منظر عام پر لایا گیا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اینڈرائیڈ کے تمام نئے ورژن اس وائرس سے متاثر ہو سکتے ہیں۔

زیادہ دیر بیٹھنا جگر کیلئے تباہ کن ہو سکتا ہے

یہ عادت آپ کے جگر کے لیے بھی تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ اس بات کا انکشاف جنوبی کوریا میں ہونے والی ایک طبی تحقیق میں ہوا ہے۔ تحقیق کے مطابق زیادہ وقت بیٹھ کر گزارنا یا سست طرز زندگی دونوں جگر بڑھنے یا اس پر چربی چڑھنے کے امراض کا باعث بن سکتے ہیں۔ جو لوگ دن میں دس یا اس سے زائد گھنٹے بیٹھ کر گزارتے ہیں ان میں جگر کے امراض کا خطرہ 9 فیصد تک بڑھ جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جسمانی طور پر متحرک ہونا جیسے روزانہ کم از کم دس ہزار قدم چلنا جگر کے امراض کا خطرہ 20 فیصد تک کم کر دیتا ہے۔ تحقیق کے دوران ڈیڑھ لاکھ کے قریب مرد و خواتین کا جائزہ لیا گیا



جن کی اوسط عمر 40 سال کے لگ بھگ تھی اور نتائج سے معلوم ہوا کہ 35 فیصد جگر کے امراض کا شکار ہیں۔ محققین کے مطابق ہمارا جسم حرکت کرنے کے لیے ڈیزائن ہوا ہے اور یہ حیرت انگیز نہیں کہ سست طرز زندگی براہ راست ہمارے جسمانی نظام پر اثر انداز ہوتا ہے۔ انکے بقول جگر کے امراض کے علاج کے حوالے سے بہت زیادہ ادویات موجود نہیں لہذا طرز زندگی میں معمولی سی تبدیلی ہی اس کا بہترین علاج ہے۔ انہوں نے اس حوالے سے ہر پچھلے 150 منٹ معتدل ورزش یا روزانہ 10 ہزار قدم چلنے کی تجویز بھی دی۔

آنکھوں کی بیماریوں کی تشخیص بذریعہ سمارٹ فون ایپ

ایک حالیہ اندازے کے مطابق دنیا بھر میں 1.45 بلین لوگ صرف بعید نظری کا شکار ہیں، 517 ملین لوگ قریب نظری کا، جبکہ 107.8 ملین لوگ مخصوص فاصلوں سے چیزوں کو پہچاننے کی صلاحیت سے یکسر عاری ہیں اور تقریباً 32 ملین لوگ مکمل اندھے پن کا شکار ہیں، دنیا بھر میں آنکھوں کی بیماریاں روز بروز بڑھ رہی ہیں، بعض تو ایسی بیماریاں ہیں جو ذرا سی بھی کوتاہی کی صورت میں انسان کو ہفتوں اور مہینوں کے اندر اندر مکمل اندھا بنا دیتی ہیں، پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں میں تو حالات اور بھی ابتر ہیں خصوصاً ان ملکوں کے رورل ایریاں جہاں اول تو ڈاکٹر ہی میسر نہیں اور اگر ڈاکٹر ہے بھی تو آنکھوں کے سپیشلسٹ ڈاکٹر بہت ہی نایاب ہیں، اس طرح غلط علاج معالجے کی صورت میں مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے، اگر لوگوں کو بروقت ڈاکٹر کی سولٹ میسر آجائے اور وہ فوری طور پر اپنا علاج کسی مستند ڈاکٹر سے کروانا شروع کر دیں تو بہت سے لوگ آنکھوں کی مستقل بیماریوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں یا کم از کم مستقل اندھے پن سے بچ سکتے ہیں۔ انہی وجوہات کو ذہن میں رکھتے ہوئے میڈیکل اینڈ سرجیکل سنٹر فار ریٹینا کے ریسرچرز نے یہ ایپ عام یوزرز تیار کی ہے جو آنکھوں کی تقریباً تمام بیماریوں کو ڈیٹیکٹ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، ریسرچرز نے یہ ایپ عام یوزرز کے لئے ڈیزائن نہیں کی بلکہ یہ ایپ جزل فزیشن کے لئے ڈیزائن کی گئی ہے اگر جزل فزیشن ڈاکٹر اس ایپ کو استعمال کرتے ہیں تو انہیں آنکھوں کے امراض جانچنے میں بہت حد سہولت مل سکتی ہے۔ اگر ایپ کی نشاندہی پر مرض بگڑنے کا اندیشہ ہو تو ڈاکٹر فوراً مریض کو اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس ریفر کر سکتا ہے بصورت دیگر اگر مرض عام نوعیت کا ہے تو جزل فزیشن خود اس کا علاج کر سکتا ہے، میسا بتایا جا چکا ہے کہ یہ ایپ رورل ایریاں میں بہت کارآمد ثابت ہو سکتی ہے جہاں بمشکل جزل فزیشن میسر آتا ہے، یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ ایپ ہرگز اسپیشلسٹ ڈاکٹر کو رلیف نہیں کر رہی بلکہ صرف مریض کو خطرہ سے پہلے اسپیشلسٹ ڈاکٹر تک پہنچانے میں کردار ادا کر رہی ہے۔

سردست یہ ایپ میکسکو میں ڈیزائن کی گئی ہے اور میکسکین ڈاکٹر اس بات کی بڑی توقع کر رہے ہیں کہ یہ ایپ نہ





صرف کم قیمت علاج میں معاون ثابت ہوگی بلکہ علاج کا دورانیہ بھی نہایت کم ہو جائے گا جس سے ملک کے میڈیکل سسٹم کو زبردست فائدہ حاصل ہونے کی قوی امید ہے۔ اب رہی بات کی یہ زبردست ایپ کس طرح پروگرام کی گئی ہے تو اصل میں یہ ایپ سمارٹ فون میں لگے ہائی ریزولوشن کیمرے کی مدد سے متاثرہ شخص کی آنکھ کی تصویر کو اینالاؤنڈ کرے گی، آنکھ کی تصویر کے ذریعے یہ مریض کی حالت کو جانچے گی اور اگر کوئی خطرناک بیماری ڈیٹیکٹ ہو جائے تو فوراً اسپشلسٹ سے کنسلٹ کرنے کی ہدایات جاری کرے گی، اس ایپ کی تیاری کے بعد اسے آزما یا بھی جا چکا ہے اور اب بہت جلد یہ ماریٹ میں دستیاب ہوگی جس سے صرف میکینوئی نہیں بلکہ دنیا بھر کے ڈاکٹر اور مریض فائدہ اٹھائیں گے، خاص طور پر غریب ملکوں اور علاقوں کے افراد جو ہنگے علاج کے ساتھ ساتھ مہنگا ڈاکٹر بھی افریقہ نہیں کر سکتے۔

### سگریٹ نوشی دانتوں کے گرنے کا باعث بن سکتی ہے، تحقیق

یوں تو سگریٹ نوشی کینسر سمیت کئی خطرناک بیماریوں کا باعث بنتی ہے تاہم اب ایک نئی تحقیق میں انکشاف کیا گیا ہے کہ سگریٹ نوشی نہ صرف دانتوں کو بد صورت بنا دیتی ہے بلکہ اس کو کمزور بنا کر گرنے کا باعث بن جاتی ہے۔ جرمن انسٹیٹیوٹ آف ہیومن نیوٹریشن اور یونیورسٹی آف برمنگھم میں ہونے والی تحقیق میں خبردار کیا گیا ہے کہ سگریٹ پینے مرد حضرات کے دانت سگریٹ نہ پینے والوں کے مقابلے میں 3.6 گنا زیادہ تیزی سے گرتے ہیں جبکہ سگریٹ نوش خواتین سگریٹ نہ پینے والی خواتین کے مقابلے میں 2.6 گنا جلدی دانتوں جیسی نعمت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ تحقیق کے مطابق دانتوں کے گرنے اور سگریٹ نوشی کا یہ تعلق نوجوانوں میں زیادہ واضح نظر آتا ہے جبکہ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ چین اسموکرز کے دانت ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے گرتے ہیں جو نسبتاً کم سگریٹ پیتے ہیں۔ یونیورسٹی آف برمنگھم کے پروفیسر اور اس تحقیق کے بانی تھامس ڈانی ٹریج کا کہنا ہے کہ تحقیق کے دوران 23 ہزار سے زائد افراد کا ڈیٹا اکٹھا کیا گیا جس سے یہ بات سامنے آئی کہ زیادہ تر دانتوں کے گرنے کی وجہ مسوڑوں کی بیماری پریڈیوٹائٹس ہے جو کہ تمباکو سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سگریٹ نوشوں کے مسوڑوں میں جلد خون آنے لگتا ہے جو پریڈیوٹائٹس کی علامت ہے تاہم سگریٹ نوشی چھوڑ دینے سے دانت گرنے کا عمل رک جاتا ہے تاہم دانت گرنے کا خطرہ پھر بھی موجود رہتا ہے۔ جرمن انسٹیٹیوٹ آف ہیومن نیوٹریشن کے پروفیسر کولید کا کہنا ہے کہ مسوڑوں کی بیماریاں اور دانتوں کا تھوڑا تھوڑا ٹوٹنا سگریٹ نوشوں کے دانتوں پر سگریٹ نوشی کے اثرات کا آغاز ہوتا ہے جو انہیں اشارہ دیتا ہے کہ وہ سگریٹ نوشی چھوڑ دیں اس سے پہلے کہ وہ پیپرمیڈوں کے کیفر جیسی مہلک بیماریوں کا شکار ہوں۔

## انعامی سلسلے

انعامی سلسلہ نمبر ۱

آپ کتنے ذہین ہیں؟

۱۔ FAO کن الفاظ کا مخفف ہے؟

۲۔ غسل کے فرائض کتنے ہیں؟

۳۔ حضرت عمرؓ کب شہید ہوئے؟

۴۔ دنیا کا سب سے زیادہ غیر آباد علاقہ کون سا ہے؟

۵۔ محترمہ فاطمہ جناح کب پیدا ہوئیں؟

انعامی سلسلہ نمبر ۲

صفحہ بتائیے انعام پایے

۱۔ ظاہر کی آنکھ سے شفا کسے کرے کوئی۔

۲۔ اچھا تو ان دونوں کا گھر کہاں ہے۔

۳۔ سعید مدنی نے ان کی مشکل واقعی آسان کر دی تھی۔

۱۹

۴۔ قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے۔

۵۔ ایک رکن نے بڑبڑاتے ہوئے تجویز کیا۔

### انعامی سلسلے کے نتائج

ستمبر 2015ء کے انعامی سلسلوں میں بذریعہ قرعہ اندازی مندرجہ ذیل قارئین انعام کے حق دار ٹھہرے:

انعامی سلسلہ نمبر ۱: ارسلان احمد (راولپنڈی)

انعامی سلسلہ نمبر ۲: عمر قدیر (بھیرہ)

ماہنامہ روشنی کی طرف سے خوبصورت گفٹ آپ کو ارسال کر دیے گئے ہیں۔



لم قیمت علاج میں معاون ثابت ہوگی بلکہ علاج کا دورانیہ بھی نہایت کم ہو

دست فائز حاصل ہونے کی قوی امید ہے

Fallo June

ادارہ ایف

نام	کلاس	مشغلہ	ادارہ ایف
عمر سلیمان	ہفتم	مطالعہ کرنا	ریڈ فائڈ نیشن سکول ہری پور بھیمبر، آزاد کشمیر
محمد زاہد	نہم	مطالعہ کرنا	گورنمنٹ پائلٹ ہائی سکول راولا کوٹ، آزاد کشمیر
وسیم اختر	دہم	نظمیں پڑھنا	ریڈ فائڈ نیشن سکول کوٹلی، آزاد کشمیر
شوکت احمد	ششم	شاعری کرنا	گورنمنٹ مڈل سکول داتوٹ، آزاد کشمیر
سمیہ اکرم	ہفتم	روشنی پڑھنا	حراء پبلک سکول سنگولہ راولا کوٹ، آزاد کشمیر
اعظم خان	ہفتم	نظمیں پڑھنا	صفہ ماڈل سکول اینڈ کالج راولپنڈی
عامر ذیشان	دہم	تفہیم پڑھنا	ریڈ فائڈ نیشن سکول پلندری، آزاد کشمیر
زہیب اکرم	چشم	روشنی پڑھنا	حراء پبلک سکول سنگولہ راولا کوٹ، آزاد کشمیر
موبین اشتیاق	چشم	اخبار پڑھنا	دارالقلم سکول مری آزاد کشمیر
سہیل آصف	نہم	سوچنا	گورنمنٹ ہائی سکول میر پور، آزاد کشمیر
اسماء افسر	اول	روشنی پڑھنا	حراء پبلک سکول سنگولہ راولا کوٹ، آزاد کشمیر
آقا شاور	نہم	کرکٹ کھیلنا	ریڈ فائڈ نیشن سکول باغ، آزاد کشمیر
صوبان تصور	ہفتم	تجربہ کرنا	آری پبلک سکول اینڈ کالج بسٹم راولا کوٹ، آزاد کشمیر
حبیب حنیف	ہفتم	روشنی پڑھنا	حراء پبلک سکول سنگولہ راولا کوٹ، آزاد کشمیر
یوسف شہباز	دہم	کتابیں پڑھنا	گورنمنٹ ہائی سکول کوٹلی، آزاد کشمیر
حسام شاگر	نہم	شرارتیں کرنا	سر سید سکول اینڈ کالج بسٹم راولپنڈی
اسد زاہد	چہارم	گیمر کھیلنا	گورنمنٹ پرائمری ہائی سکول جوٹیاں گلگت
اسد اشرف	ہفتم	روشنی پڑھنا	ایم آر پبلک سکول راولپنڈی
صہیب اکرم	ہفتم	روشنی پڑھنا	حراء پبلک سکول سنگولہ راولا کوٹ، آزاد کشمیر